بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ

نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ
اکتوبر 2014ء

شمارہ نمبر
122



ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو

بانی

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

- فتنوں سے بچاؤ... مگر کیسے؟
- عشرہ ذی الحجہ کے فضائل و مسائل
- قربانی کے بعض احکام و مسائل
- ظہور احمد حضروی دیوبندی کا "مبلغ علم"
- سیرۃ النبی ﷺ کا ایک عظیم پہلو: حلم و بردباری



مکتبۃ الحدیث
حضرو اٹک : پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

121

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو

جلد: 11	ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ اکتوبر ۲۰۱۴ء	شمارہ: 10

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ : 30 روپے

سالانہ : 500 روپے

مع محصول ڈاک پاکستان

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر: حافظ شیر محمد الاثری

0300-5288783

مقامِ اشاعت: مکتبۃ الحدیث حضرو - ضلع اٹک

تفسیر سورۂ مائدہ (آیت:۸۔۱۱)

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ اس سے مکمل طور پر باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، بلاشبہ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی بھڑکتی آگ والے (دوزخی) ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی نعمت یاد کرو (جو) تم پر ہوئی) جب کچھ لوگوں نے ارادہ کیا کہ تمھاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں تو اس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے اور اللہ سے ڈرو، پس اہل ایمان کو چاہیے کہ اللہ (ہی) پر توکل کریں۔" (۵/ المائدۃ: ۸۔۱۱)

فقہ القرآن:

❁ ﴿قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ﴾ قوامین: قَوَّامٌ کی جمع ہے، یعنی اللہ عزوجل کے لیے حق پر قائم رہنے والے بن جاؤ نہ کہ لوگوں (کو دکھانے) کے لیے اور شہرت کے لیے۔

(تفسیر ابن کثیر ۳/ ۵۹)

﴿شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ شُهَدَاءَ: شہید کی جمع ہے اور قِسْط: اسم مصدر ہے، یعنی عدل و

انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ نہ کہ ظلم و جور کے ساتھ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَقْسِطُوا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ ''اور انصاف کرو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (٤٩/ الحجرات : ٩)

ظلم و ناانصافی کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ ''اور جو ظالم (بے انصاف) ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔''

(٧٢/ الجن : ١٥)

شریعت اسلامیہ میں جھوٹی گواہی کی شدید مذمت کی گئی ہے، چنانچہ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی، کسی جان کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔'' (صحیح البخاری : ٢٦٥٣)

اہل ایمان کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ ''اور وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔'' (٢٥/ الفرقان : ٧٢)

❀ ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ﴾ ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ﴾: جَرْمٌ مصدر سے فعل نہی واحد مذکر غائب ہے، یعنی تمہیں آمادہ (برانگیختہ) نہ کرے کسی قوم کی دشمنی کہ تم عدل نہ کرو۔ تفسیر کے لیے دیکھئے (المائدہ آیت:٢)

❀ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اللہ سے ڈرو، بلاشبہ وہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔'' اور اعمال کے مطابق ہی وہ تمہیں جزا دے گا۔ اگر خیر پر مبنی اعمال ہوئے تو اس کی جزا بھی بہترین ہوگی اور اگر شر پر مبنی اعمال ہوئے تو اس کا بدلہ بھی اسی صورت میں ہوگا۔

❀ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ یہ آیت اپنے معنی و مفہوم میں بہت واضح ہے کہ جس نے ایمان لانے کے بعد نیک صالح اعمال کیے اس کے لیے مغفرت اور اجر عظیم (جنت) کا وعدہ ہے اور جس نے

ایمان سے انکار کیا، اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا تو وہ دوزخی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل صالح لازم وملزوم ہیں۔

❀ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ تفاسیر کی کتب میں اس آیت کی تفسیر میں دو طرح کی روایات ہیں:

1. سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذات الرقاع میں تھے، پھر ہم ایک ایسی جگہ آئے جہاں گھنا سایہ دار درخت تھا۔ ہم نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے آرام) کے لیے مخصوص کر دیا۔

مشرکین میں سے ایک آدمی آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار درخت کے ساتھ لٹک رہی تھی (جبکہ آپ آرام فرما رہے تھے) اس نے تلوار آپ پر سونت لی اور کہا: مجھ سے ڈرتے ہو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔'' اس شخص نے کہا: تو (پھر آج) تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ''۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (آپہنچے اور انھوں) نے اسے ڈانٹا دھمکایا...... (صحيح البخاری: ٤١٣٦)

2. ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ ''اور وہی ہے جس نے وادیٔ مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے، اس کے بعد تمھیں ان پر فتح دے دی اور جو تم کرتے ہو اسے اللہ خوب دیکھنے والا ہے۔'' (٤٨/ الفتح : ٢٤)

مزید دیکھئے: صحيح مسلم (١٨٠٧، ١٨٠٨) وغیرہ۔

❀ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ یعنی اہل ایمان اپنے دینی و دنیاوی مصالح اور اپنے محبوب امور کے حصول میں صرف اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کریں اور بندے کے ایمان کے مطابق ہی، اس کا اللہ پر توکل ہوتا ہے، اسی لیے پہلے تقویٰ شعاری و پرہیزگاری کا حکم دیا ہے کہ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ ''اللہ سے ڈر جاؤ۔''

تحقیق وتخریج: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

ترجمہ وفوائد: حافظ ندیم ظہیر

اضواء المصابیح

فقه الحديث

بَابُ تَطْهِيرِ النَّجَاسَاتِ
نجاستوں کی تطہیر کا بیان

(الفصل الاول)

٤٩٠: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((**اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِیْ اِنَاءِ أَحَدِكُمْ، فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ**)) . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

وَ فِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ : ((**طُهُوْرُ اِنَآءِ اَحَدِكُمْ اِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ اَنْ يَّغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ، اُوْلَاهُنَّ بِالتُّرَابِ**)) .

سیّدنا ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کے برتن میں سے کتا پی لے تو اسے سات دفعہ دھوئے۔'' متفق علیہ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کے برتن کی طہارت، جب اس میں کتا منہ ڈال دے تو اس طرح ہوگی کہ اسے سات دفعہ دھوئے۔ ان میں سے پہلی بار مٹی کے ساتھ (مانج لے)''

تحقیق الحدیث: صحيح البخاری : ١٧٢ ، صحيح مسلم : ٩٠/ ٢٧٩ ، مصابيح السنة : ٣٣٩ .

فقہ الحدیث:

١: نجاست طہارت کی ضد ہے اور نجس طاہر کی، ہر اس چیز کو نجس کہتے ہیں جسے شریعت نے گندگی قرار دیا ہو۔ اس باب میں ان چیزوں سے متعلق بحث ہے جو نجس ہیں، اسی طرح

جو نجاست سے آلودہ ہو جائے اس کی تطہیر اور ازالہ نجاست کا بھی بیان ہے۔

۲: کتا نجس ہے اور اس کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اسے مٹی سے مانجنے اور سات بار دھونے کا حکم ہے۔

۳: کتے کا جھوٹا بھی ناپاک ہے۔ جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس میں موجود کھانے پینے کی اشیاء کو گرا دینا چاہیے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُرِقْهُ)) ''جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو وہ اس (میں موجود مشروب وغیرہ) کو گرا دے۔'' (صحیح مسلم : ۲۷۹)

۴: اس حدیث میں پہلی دفعہ مٹی کے ساتھ مانجنے کا ذکر ہے، البتہ بعض روایات میں اختیار بھی ہے، مثلاً: سنن الترمذی (۹۱) کی روایت میں ہے: ((أُولَاهُنَّ أَوْ أُخْرَاهُنَّ بِالتُّرَابِ)) ''پہلی بار یا آخری بار مٹی کے ساتھ (مانجے)۔'' المنتقی لابن الجارود (۵۲) کے الفاظ درج ذیل ہیں: ((أَوَّلَهُنَّ أَوْ إِحْدَاهُنَّ بِالتُّرَابِ.)) ''پہلی بار یا ان میں سے ایک بار مٹی کے ساتھ مانجے۔'' اور یہی الفاظ مسند الحمیدی (۹۷٤ ونسخة أخری: ۹۹۸) میں بھی موجود ہیں، لہٰذا انہیں راوی کا شک قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اس کی تائید صحیح مسلم (۲۸۰) کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھوؤ اور آٹھویں دفعہ مٹی کے ساتھ (مانج کر) صاف کر دو۔'' تاہم بعض محدثین نے چند وجوہ کی بنا پر ((أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ)) کو ترجیح دی ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیهقی (۱/ ۲٤۲) وغیرہ۔

بہر حال پہلی بار یا آخری بار مٹی کے ساتھ مانجنا یا پھر سات دفعہ دھو کر آٹھویں بار مٹی کے ساتھ مانجنا، صحیح احادیث کی رو سے یہ سب جائز صورتیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

۵: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فَلْيَغْسِلْ سَبْعًا أَوْ خَمْسًا أَوْ ثَلَاثًا)) ''جب کتا (برتن میں) منہ ڈال دے تو اسے سات بار یا پانچ بار یا تین بار دھو۔'' (العلل للدارقطنی : ۸/ ۱۰۲)

یہ روایت عبدالوہاب بن ضحاک متروک متہم بالکذب کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔
دیکھئے تقریب التهذیب (٤٢٥٧) ودیگر کتب اسماء الرجال۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء (ابن ابی رباح رحمہ اللہ) سے پوچھا: جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اُسے کتنی دفعہ دھونا چاہیے؟ انھوں نے فرمایا: سات بار، پانچ بار اور تین بار۔ ان سب کے بارے میں، میں نے سن رکھا ہے۔ (المصنف لعبد الرزاق ١/ ٩٦ ونسخة أخرى ١/ ٧٦، یہ روایت امام عبدالرزاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

٦: احناف کے نزدیک جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اسے تین دفعہ دھونا کافی ہے کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہی فتویٰ ہے (سنن الدارقطنی ٢١/ ٦٦ ح ١٩٣ وسنده صحيح) اور وہ راویٔ حدیث بھی ہیں۔

تو عرض ہے کہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کا فتویٰ ہے: ''(جس برتن میں کتے نے منہ ڈال دیا ہو تو) اس برتن کو سات دفعہ دھوؤ۔'' (سنن الدارقطنی ١/ ٨٤ ح ١٨٠ وسنده صحيح) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تین دفعہ دھونے والا فتویٰ منسوخ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جب یہ ثابت ہے کہ انھوں (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) نے سات دفعہ دھونے کا فتویٰ دیا اور یہ فتویٰ ان کے روایت کے مطابق بھی ہے تو اسی کو ترجیح حاصل ہے۔'' (فتح الباری ١/ ٢٧٧ ونسخة أخرى ١/ ٤٧٥)

سعید بن مسیّب (جلیل القدر تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: (جب برتن میں) کتا منہ ڈال دے تو اپنے برتن کو سات مرتبہ دھو۔ (المصنف لابن ابی شیبة ١/ ١٧٤ ونسخة أخرى ١/ ٢٩١ وسنده حسن)

اور یہ معلوم ہے کہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ، سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تلمیذِ خاص ہیں۔

٧: سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اسے سات بار دھونا چاہیے۔ (المصنف لابن ابی شیبه ١/ ١٧٣ وسنده حسن)

از قلم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ   ترجمہ: حافظ فرحان الٰہی

سنت کے سائے میں

فتنوں سے بچاؤ......مگر کیسے؟

سُبیع بن خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أَتَيْتُ الْكُوفَةَ فِي زَمَنِ فُتِحَتْ تُسْتَرُ، أَجْلَبُ مِنْهَا بِغَالًا ، فَدَخَلْتُ الْمَسْجِدَ ، فَإِذَا صَدْعٌ مِنَ الرِّجَالِ ، وَإِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ تَعْرِفُ إِذَا رَأَيْتَهُ أَنَّهُ مِنْ رِجَالِ أَهْلِ الْحِجَازِ ، قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ فَتَجَهَّمَنِي الْقَوْمُ ، وَقَالُوا: أَمَا تَعْرِفُ هَذَا؟ هَذَا حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: إِنَّ النَّاسَ كَانُوا يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ ، فَأَحْدَقَهُ الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ ، فَقَالَ: إِنِّي أَرَى الَّذِي تُنْكِرُونَ ، إِنِّي قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَرَأَيْتَ هَذَا الْخَيْرَ الَّذِي أَعْطَانَا اللَّهُ ، أَيَكُونُ بَعْدَهُ شَرٌّ كَمَا كَانَ قَبْلَهُ؟ قَالَ: ((**نَعَمْ**)) قُلْتُ: فَمَا الْعِصْمَةُ مِنْ ذَلِكَ؟ قَالَ: ((**السَّيْفُ**)) قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ، ثُمَّ مَاذَا يَكُونُ؟ قَالَ: ((**إِنْ كَانَ لِلَّهِ خَلِيفَةٌ فِي الْأَرْضِ فَضَرَبَ ظَهْرَكَ ، وَأَخَذَ مَالَكَ ، فَأَطِعْهُ ، وَإِلَّا فَمُتْ ، وَأَنْتَ عَاضٌّ بِجِذْلِ شَجَرَةٍ**)) قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((**ثُمَّ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ مَعَهُ نَهْرٌ وَنَارٌ ، فَمَنْ وَقَعَ فِي نَارِهِ ، وَجَبَ أَجْرُهُ ، وَحُطَّ وِزْرُهُ ، وَمَنْ وَقَعَ فِي نَهْرِهِ ، وَجَبَ وِزْرُهُ ، وَحُطَّ أَجْرُهُ**)) قَالَ: قُلْتُ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((**ثُمَّ هِيَ قِيَامُ السَّاعَةِ**)).

جن دنوں " تُستَر " فتح ہوا، میں ایک خچر خریدنے کی غرض سے کوفہ آیا تو (نماز کے لیے) مسجد میں گیا۔ وہاں ایک درمیانے قد کاٹھ کا آدمی دیکھا جس کے ساتھ ایک آدمی بیٹھا ہوا

تھا۔آپ اس کو دیکھتے ہی پہچان جائیں گے کہ اہل حجاز میں سے کوئی ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ شخص کون ہے؟ تو انہوں نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا: تم ان کو نہیں جانتے؟ یہ حذیفہ بن یمان رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: لوگ رسول اللہ ﷺ سے بھلائی کے متعلق دریافت کرتے تھے، جبکہ میں آپ ﷺ سے شر کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔ لوگ حذیفہ رضی اللہ عنہ کو غور سے دیکھنے لگے۔ انہوں نے فرمایا: میں تمہاری اس حیرانی کی وجہ سمجھتا ہوں ...... میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ بھلائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہے۔ کیا اس کے بعد شر بھی ہوگا، جیسے اس سے پہلے موجود تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' میں نے عرض کیا: پھر اس سے بچاؤ کیسے ممکن ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تلوار کے ذریعے۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! پھر کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر زمین میں اللہ کا کوئی خلیفہ موجود ہو اور وہ تیری پشت پر مارے اور تیرا مال چھین لے تب بھی اس کی اطاعت کر۔ اگر ایسا نہ ہو تو تمھیں موت ایسی حالت میں آئے کہ تم درخت کی جڑیں چبانے والے ہو۔'' میں نے عرض کیا: پھر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''پھر دجال نکلے گا اس کے ساتھ ایک نہر اور آگ ہوگی۔ پس جو اس کی آگ میں داخل ہو گیا اس کا اجر ثابت ہو گیا اور اس کے گناہ مٹ گئے اور جو اس کی نہر میں جا پڑا تو اس کا گناہ ثابت ہو گیا اور اس کی نیکیاں ضائع ہو گئیں۔'' حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عرض کیا: اس کے بعد کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ''پھر تو بس قیامت ہی قائم ہوگی۔''

تحقیق وتخریج: **حسن**، سنن أبي داؤد (٤٢٤٤) و أخرجه أحمد (٥/ ٤٠٤-٤٠٥) والحاكم (٤/ ٤٣٢) من حديث قتادہ به و تابعه الثقة حميد بن هلال عند أبي داؤد (٤٢٤٦) وغيره و رواه صخر ابن بدر العجلي (أبو دأود: ٤٢٤٧) وغيره عن ابن خالد به و صححه الحاكم ووافقه الذهبي و أورده أبو عوانة الأسفرائيني في صحيحه المستخرج صحيح مسلم (٤/ ٤٧٦)

فقہ الحدیث:

۱: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی خلیفہ موجود ہو جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا ہو تو اس کی اطاعت فرض ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس حدیث کی بابت پوچھا گیا: ((من مات و ليس له إمام مات ميتة الجاهلية)) ''یعنی جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ اس کا کوئی امام نہیں تو وہ جہالت کی موت مرا۔''

اس سے کیا مراد ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: تمھیں معلوم ہے کہ امام کون ہے؟ امام (یعنی خلیفہ) وہ ہے جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہو ہر کوئی کہے کہ یہ امام ہے۔ پس یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔ (السنة للخلال: ١٠، مسائل أحمد بن حنبل برواية ابن هاني ٢/ ١٨٥، نیز دیکھئے الإمامة العظمى عند أهل السنة والجماعة ص ٢١٦۔ ٢١٧)

۲: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (ابن ابی حمزہ کا قول نقل) فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے بارے میں حکمت کا تذکرہ ہے کہ کس طرح اس نے ہر ایک کو اپنی منشاء کے مطابق کام سونپا۔ چنانچہ اکثر صحابہ کے دلوں میں ایسے سوالات کی خواہش ڈالی کہ وہ خیر و بھلائی کے مختلف راستوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے، تاکہ ان پر چل سکیں دوسروں کو ان کے بارے میں آگاہ کر سکیں اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایسے سوالات کا حریص بنایا کہ وہ شر کے متعلق پوچھیں، تاکہ خود بھی اس سے محفوظ رہ سکیں اور دیگر جن لوگوں کی نجات اللہ تعالیٰ کو منظور ہو ان سے بھی اس برائی کو دور رکھنے کا سبب بن سکیں۔ اسی طرح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادہ دلی کا بھی تذکرہ ہے اور یہ بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکمت کے ہر پہلو سے واقف تھے، اسی لیے آپ ہر سائل کو اس کی شخصیت کے مطابق مناسب جواب دیتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے دل میں جس چیز کی محبت ہو، وہ اس چیز میں دوسروں سے فائق ہو جاتا ہے۔''

(فتح الباري ١٣/ ٣٧، عون المعبود ٤/ ١٥٤)

۳: اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ خلیفہ زمین کے ایک حصے پر خود مختار ہو، خواہ

زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ کسی کی پیٹھ پر کیسے مار سکتا ہے؟ یا کسی کا مال کیسے چھین سکتا ہے؟ قاضی ابو یعلی محمد بن الحسین الفراء خلیفہ کی شرائط کے بارے میں لکھتے ہیں: " والثالث: أن یکون قیمًا بأمر الحرب و السیاسة و إقامة الحدود "
اور تیسری شرط یہ ہے کہ خلیفہ جنگی وسیاسی امور اور اقامت حدود کا اختیار رکھتا ہو۔

(دیکھئے الأحکام السلطانیة ، ص ۲۰)

اسی بات کی طرف ماوردی، ابن خلدون، بغدادی اور جمہور ائمہ نے بھی اشارہ کیا ہے۔

(دیکھئے الإمامة العظمی ، ص ۲۶۰، ۲۶۱)

یعنی خلافت کے لیے ریاست پر خود مختاری ضروری ہے۔

۴: علامہ بیضاوی فرماتے ہیں: آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ "تمھیں موت ایسی حالت میں آئے کہ تم درخت کی جڑیں چبانے والے ہو" سے مراد یہ ہے کہ جب کرۂ ارض پر خلیفہ موجود نہ ہو تو سب سے الگ تھلگ رہو، اہل زمانہ کی طرف سے ملنے والی تکالیف کو برداشت کرو اور صبر کرو۔ درخت کی جڑ پر گزارہ کرنے سے مراد مشقت و تکلیف کی شدت کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فلاں درد کی شدت کے سبب پتھر چبا رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ (ایسے زمانے میں) تنہائی کو لازم کر لو۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے: ((عضوا علیها بالنواجذ)) یعنی (میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو) داڑھوں کے ذریعے مضبوطی سے تھام لو۔

۵: سبیع بن خالد کو امام عجلی، حاکم اور ابن حبان وغیرہ نے ثقہ کہا ہے، لہٰذا ان کی حدیث حسن درجہ سے کم نہیں ہوتی۔

۶: میری دانست میں درج بالا حدیث جب خلیفہ نہ ہو تو تمام فرقوں اور پارٹیوں میں شمولیت سے اجتناب پر دلالت کرتی ہے، نیز یہ کہ سلف صالحین کے فہم کے مطابق کتاب وسنت کے ساتھ تمسک اور کتاب وسنت پر عمل پیرا رہنے والے علمائے ربانی سے محبت اور احترام واجب ہے۔

ابو محمد نصیر احمد کاشف

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل ومسائل

فضیلت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ الْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍ﴾
قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔ (الفجر: ۱۔۲)

ان دس راتوں کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:
یہ دس راتیں جن کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے، یہ ذی الحجہ کے شروع کی دس راتیں ہیں۔

(تفسیر ابن جریر ٢٤/ ٣٩٦ و في نسخة ١١/ ٥٣٠ وسنده صحيح)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''کسی (عام) دن کا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دنوں کے عمل سے افضل نہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا جہاد بھی نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''جہاد بھی نہیں۔ مگر وہ شخص جو اپنی جان و مال کو لے کر نکلے، پھر واپس نہ لوٹے (یعنی شہید ہو جائے۔)''

(صحيح البخاري، كتاب العيدين ، باب فضل العمل من أيام التشريق، رقم الحديث: ٩٦٩)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، مختلف اعمال کا ذکر ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''عام دنوں میں کیے گئے عمل کی اتنی فضیلت نہیں جتنی ان دنوں میں کیے جانے والے عمل کی ہے۔'' صحابہ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جہاد فی سبیل اللہ (بھی نہیں)؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو بڑا سمجھا۔ آپ نے فرمایا: ''جہاد بھی نہیں، اِلا یہ کہ کوئی شخص جان و مال کے ساتھ نکلے اور خود کو وہیں کھپا دے۔''

(مسند أحمد ٢/ ١٦٧، الموسوعة الحديثية ١١/ ١٢٠ ح ٦٥٥٩ وسنده حسن)

اس حدیث کے راوی ابراہیم بن مہاجر بجلی حسن الحدیث اور صحیح مسلم کے راوی ہیں اور جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔(دیکھئے سنن أبي داؤد :٢٠١٩، ٤١٠٠)

عبادات

ان دونوں احادیث سے ان ایام میں عمل صالح کی فضیلت ظاہر و بین ہے،لیکن کسی مخصوص عمل کے بجالانے کا ذکر نہیں ہے،تاہم دیگر احادیث میں ان ایام کے بعض خاص اعمال کا ذکر ہے۔جو درج ذیل ہیں:

ذکرواذکار

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان دنوں سے زیادہ عظمت والے دن اوران میں کیے گئے اعمال سے زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی نہیں، لہٰذا تم ان میں کثرت سے تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) اور تحمید (الحمد للہ) بیان کیا کرو۔'' (صحيح أبي عوانة ٢/ ٧٤ح ٢٤٢٨، وسنده حسن)

ابو یحییٰ عبداللہ بن احمد بن ابی مسرہ کو ابو عوانہ کے علاوہ ابن حبان (الثقات ٨/ ٣٩٨) نے ثقہ قرار دیا ہے۔

امام ابو حاتم نے فرمایا: ''و محله الصدق .''

(الجرح والتعديل ٥/ ٦، نیز دیکھئے سير اعلام النبلاء ١٢/ ٦٣٢)

عبدالحمید بن غزوان البصری کو ابو عوانہ کے علاوہ ابن حبان (الثقات٨/ ٣٩٨) نے ثقہ قرار دیا ہے۔

امام ابو حاتم نے فرمایا: ''بصري شيخ .'' (الجرح والتعديل ٦/ ١٧)

تکبیرات

حدیثِ سابق کی روشنی میں ان دنوں میں کثرت کے ساتھ تہلیل، تحمید اور تکبیرات پڑھنی چاہئیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تکبیرات کے درج ذیل الفاظ ثابت ہیں:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَ أَجَلُّ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ . (مصنف ابن أبي شيبة ٢/ ١٦٧ ح ٥٦٤٥ ، السنن الكبرى للبيهقي ٣/ ٣١٦ ، وسنده صحيح) تفصیل کے لیے دیکھئے توضیح الاحکام (۱/ ۴۷۹۔۴۸۱)

تکبیرات کا وقت

کسی صحیح مرفوع حدیث سے تکبیرات کہنے کا معین وقت ثابت نہیں، تاہم بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ملتے ہیں۔

۱: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عرفہ (نو ذوالحجہ کو) کے دن نماز فجر سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کی نماز عصر تک تکبیرات پڑھتے تھے۔ (المستدرك للحاكم ١/ ٢٩٩ ، وصححه ووافقه الذهبي ، السنن الكبرى للبيهقي ٣/ ٣١٤ وسنده حسن)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی درج بالا روایت میں بھی یہی تفصیل موجود ہے۔

(مصنف ابن أبي شيبة ١/ ١٦٧ وسنده صحيح)

تنبیہ: ان تکبیرات کا کہنا صرف نمازِ پنجگانہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ عام اوقات میں بھی کہنی چاہئیں، نیز بعض لوگ نماز کے بعد والے مسنونہ اذکار ترک کر کے تکبیرات کہنا شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ ان کو پہلے اذکارِ مسنونہ، پھر تکبیرات پڑھنی چاہئیں۔

روزے

بعض امہات المؤمنین بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحجہ کے نو دن ، یوم عاشوراء، ہر مہینے میں تین دن اور ہر مہینے کے پہلے سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے۔ (سنن أبي داؤد ، كتاب الصيام ، باب في صوم العشر رقم الحديث: ٢٤٣٧ ، سنن النسائي كتاب الصيام باب صوم النبي صلى الله عليه وسلم رقم الحديث: ٢٣٧٤ ، وسنده صحيح)

اس حدیث سے عشرہ ذی الحجہ کے پہلے نو دنوں کے روزوں کی مشروعیت ثابت ہوتی

ہے، اور جو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

میں نے عشرہ ذی الحجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔

(صحيح مسلم كتاب الاعتكاف باب صوم عشر ذى الحجة رقم الحديث: ٩/ ١١٧٦)

اس میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کی حد تک نفی ہے اور یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ محدثین وعلماء نے اس کے علاوہ بھی اس حدیث کے کئی جوابات دیے ہیں۔

(دیکھئے شرح مسلم للنووي ٨/ ٧١۔ ٧٢، فتح الباري لابن حجر ٣/ ٤٦٠، وغيرهما)

یوم عرفہ کا روزہ

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَ السَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ.))

”عرفہ کے دن کے روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مجھے امید ہے کہ یہ گزشتہ اور آئندہ (یعنی دو) سال (کے گناہوں) کا کفارہ ہوگا۔“

(صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر : ١١٦٢)

تنبیہ (۱) یہ روزہ حاجیوں کے لیے نہیں ہے۔ دیکھئے صحيح البخاري (١٦٥٨) صحيح مسلم (١١٢٣)

تنبیہ (۲) اگر اوپر بیان کی گئی بعض امہات المومنین والی حدیث کے مطابق ذوالحجہ کے شروع کے نو روزے رکھے جائیں تو عرفہ کے دن کے اختلاف سے بچا جا سکتا ہے۔ جو بدقسمتی سے ہمارے ہاں عام ہوتا جا رہا ہے کہ عرفہ سعودیہ کے مطابق روزہ ہے یا ہر جگہ چاند کے مطابق ۹ ذوالحجہ ہی کو روزہ رکھا جائے، بہرحال درج بالا تطبیق بہترین ہے۔ واللہ اعلم

بال و ناخن تراشنا

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور قربانی کرنا چاہو تو اپنے بال اور ناخن (تراشنے سے) رک

جاؤ۔''(صحیح مسلم، کتاب الأضاحی، باب نهی من دخل علیه عشر ذی الحجة . . . ، رقم الحدیث: ۴۱/ ۱۹۷۷)

دوسری روایت میں ہے: ''حتیٰ کہ قربانی کرلے۔''(صحیح مسلم: ۴۲/ ۱۹۷۷)

جسے قربانی کی استطاعت نہ ہو

اگر کسی شخص کے پاس قربانی کرنے کی استطاعت نہیں اور وہ ناخن و بال کاٹنے سے بھی اجتناب کرے پھر قربانی کے دن یہ افعال انجام دے تو اسے بھی قربانی کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اضحیٰ کے دن کو بطور عید مناؤں جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے مقرر کیا ہے۔''

ایک صحابی نے سوال کیا: اگر مجھے دودھ والے جانور کے علاوہ دوسرا جانور نہ ملے تو کیا میں اس کی قربانی کردوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں! بلکہ (عید کے دن) اپنے بال کاٹ لو، ناخن، مونچھیں تراش لو اور زیر ناف بال مونڈ لو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ تمہاری مکمل قربانی ہوگی۔''

(سنن أبي داؤد، کتاب الضحایا، باب ما جاء في إیجاب الأضاحی: ۲۷۸۹، سنن النسائي: ۴۳۷۰ وإسناده صحیح)



توجہ طلب

قارئین کرام! موقع کی مناسبت سے توضیح الاحکام کی جگہ محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا مضمون مکرر ''قربانی کے بعض احکام و مسائل'' شامل اشاعت کیا گیا ہے، لہٰذا ''توضیح الاحکام'' اگلے شمارے میں ملاحظہ کریں۔

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

قربانی کے بعض احکام و مسائل

الحمد رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسوله الأمین ، أما بعد :

عیدالاضحیٰ کے موقع پر جو قربانی کی جاتی ہے،اس کے بعض احکام و مسائل پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا رأیتم ھلال ذی الحجة و أراد أحدکم أن یضحّی فلیمسك عن شعره و أظفاره .)) جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اسے بال اور ناخن تراشنے سے رُک جانا چاہئے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۷۷، ترقیم دارالسلام: ۵۱۱۹)

اس حدیث میں ''ارادہ کرے'' سے ظاہر ہے کہ قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔
دیکھئے المحلّی لابن حزم (۷/۳۵۵ مسئلہ: ۹۷۳)

درج بالا حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قربانی کا ارادہ رکھنے والے کے لئے ناخن تراشنا اور بال مونڈنا منڈوانا، تراشنا ترشوانا جائز نہیں ہے۔

سیدنا ابوسریحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) ابوبکر (الصدیق) اور (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں میرے پڑوسی تھے اور دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۷/۱۹۸ ح ۵۶۳۳ وسندہ حسن، وحسنہ النووی فی المجموع شرح المہذب ۸/۳۸۳، وقال ابن کثیر فی مسند الفاروق ۱/۳۳۲: ''وھذا اسناد صحیح'')

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی سنت ہے، واجب نہیں ہے اور جو شخص اس کی استطاعت رکھے تو میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اسے ترک کردے۔ (الموطأ ۲/۴۸۷ تحت ح ۱۰۷۳)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی کرنا سنت ہے، میں اسے ترک کرنا پسند نہیں کرتا۔

(کتاب الام ج ۱ ص ۲۲۱)

نیز دیکھئے المغنی لابن قدامہ (۹/۳۴۵ مسئلہ: ۷۸۵۱)

امام بخاری نے فرمایا: ''باب سنة الأضحية '' (صحیح بخاری قبل ح ۵۵۴۵)

۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من كان له سعة ولم يضحّ فلا يقربنّ مصلانا .))

جس آدمی کے پاس طاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۳ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم ۲۳۲/۴ ووافقہ الذہبی ورواہ احمد ۳۲۱/۲)

اس روایت میں عبداللہ بن عیاش المصری مختلف فیہ راوی ہیں جن پر کبار علماء وغیرہم نے جرح کی اور جمہور نے توثیق کی، تقریباً پانچ اور چھ کا مقابلہ ہے۔!

روایتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قربانی کا استخفاف و توہین کرتے ہوئے استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے تو اسے مسلمانوں کی عیدگاہ سے دور رہنا چاہئے یعنی یہ روایت قربانی کے استحباب و سُنیت پر محمول اور منکرینِ حدیث کا رد ہے۔

۳) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کا کیا خیال ہے، اگر مجھے صرف مادہ قربانی (دودھ دینے والا جانور) ملے تو کیا میں اس کی قربانی کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن تم ناخن اور بال کاٹ لو، مونچھیں تراشو اور شرمگاہ کے بال مونڈ لو تو اللہ کے ہاں تمھاری یہ پوری قربانی ہے۔

(سنن ابی داود: ۲۷۸۹ وسندہ حسن، وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۰۴۳، والحاکم ۲۲۳/۴ والذہبی)

اس حدیث کے راوی عیسیٰ بن ہلال الصدفی صدوق ہیں۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۵۳۳۷)

انھیں یعقوب بن سفیان الفارسی (المعرفۃ والتاریخ ۵۱۵/۲، ۴۸۷) اور ابن حبان وغیرہما نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ایسے راوی کی روایت حسن کے درجے سے کبھی نہیں گرتی۔

عیاش بن عباس القتبانی ثقہ تھے۔ دیکھئے التقریب (۵۲۶۹) باقی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، وہ اگر ذوالحجہ کے چاند سے لے کر نمازِ عید سے فارغ ہونے تک بال نہ کٹوائے اور ناخن نہ تراشے تو

اسے قربانی کا ثواب ملتا ہے۔

٤) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن .))

دو دانتوں والے (دوندے) جانور کے علاوہ ذبح نہ کرو اِلا یہ کہ تم پر تنگی ہو جائے تو دُنبے کا جذعہ ذبح کر دو۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶۳، ترقیم دارالسلام: ۵۰۸۲)

بکری (یا بھیڑ) کے اس بچے کو جذعہ کہتے ہیں جو آٹھ یا نو ماہ کا ہو گیا ہو۔

دیکھئے القاموس الوحید (ص ۲۴۳)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: جمہور کے نزدیک بھیڑ (دُنبے) کا جذعہ اسے کہتے ہیں جس نے ایک سال پورا کر لیا ہو۔ (فتح الباری ۱۰/۵ تحت ح ۵۵۴۷)

بہتر یہی ہے کہ ایک سال کا جذعہ بھیڑ میں سے ہو، ورنہ آٹھ نو ماہ کا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ بلیغ: صحیح مسلم کی اس حدیث پر عصرِ حاضر کے شیخ البانی رحمہ اللہ کی جرح (دیکھئے الضعیفۃ: ۶۵، ارواء الغلیل: ۱۱۴۵) مردود ہے۔

مستدرک الحاکم (۲۲۶/۴ ح ۷۵۳۸ وسندہ صحیح) کی حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسنہ نہ ہونے کی حالت میں جذعہ کی قربانی کافی ہے۔

۵) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أربع لا تجوز في الأضاحي: العوراء بيّن عورها والمريضة بيّن مرضها والعرجاء بيّن ظلعها والكسير التي لا تنقي.)) چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے: ایسا کانا جس کا کانا پن واضح ہو، ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن واضح ہو اور بہت زیادہ کمزور جانور جو کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو۔

(اس حدیث کے راوی عبید بن فیروز تابعی نے) کہا: مجھے ایسا جانور بھی ناپسند ہے جس کے دانت میں نقص ہو؟ تو (سیدنا) براء (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: تمھیں جو چیز بُری لگے اُسے چھوڑ دو اور دوسروں پر اُسے حرام نہ کرو۔ (سنن ابی داود: ۲۸۰۲)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اسے ترمذی (۱۴۹۷) ابن خزیمہ (۲۹۱۲) ابن حبان (۱۰۴۶، ۱۰۴۷) ابن الجارود (۴۸۱، ۹۰۷) حاکم (۱/۴۶۷، ۴۶۸) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ جس چیز کے بارے میں دل میں شبہ ہو اور اسی طرح مشکوک چیزوں سے بچنا جائز ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ کٹے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔

مشہور تابعی امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: ایسا جانور جس کا آدھا سینگ یا اس سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہو۔ (سنن النسائی ۷/۲۱۷، ۲۱۸ ح ۴۳۸۲ وسندہ حسن وصححہ الترمذی: ۱۵۰۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں آیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ (قربانی کے جانور میں) آنکھ اور کان دیکھیں۔ (سنن النسائی ۷/۲۱۷ ح ۴۳۸۱ وسندہ حسن وصححہ الترمذی: ۱۵۰۳، وابن خزیمہ: ۲۹۱۴ وابن حبان، الاحسان: ۵۸۹۰ والحاکم ۴/۲۲۵ والذہبی)

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کانے، لنگڑے، واضح بیمار، بہت زیادہ کمزور، سینگ (ٹوٹے یا) کٹے اور کان کٹے جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

علامہ خطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے فرمایا: اس (سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ) حدیث میں دلیل ہے کہ قربانی میں معمولی نقص معاف ہے الخ (معالم السنن ۲/۱۹۹ تحت ح ۶۸۳)

معلوم ہوا کہ اگر سینگ میں معمولی نقص ہو یا تھوڑا سا کٹا یا ٹوٹا ہوا ہو تو اس جانور کی قربانی جائز ہے۔

نووی نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔
(المجموع شرح المہذب ۸/۴۰۴)

۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قربانی کا گوشت، کھالیں اور جھولیں لوگوں میں تقسیم کر دیں اور قصاب کو اُس میں سے (بطورِ اجرت) کچھ بھی نہ دیں۔
دیکھئے صحیح بخاری (۱۷۱۷) وصحیح مسلم (۱۳۱۷) اور یہی مضمون فقرہ نمبر ۲۷

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو جانور اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے (مثلاً قربانی اور عقیقہ) اس کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ دیکھئے شرح السنۃ للبغوی (۷/۱۸۸ ح ۱۹۵۱)

۷) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سفید و سیاہ اور سینگوں والے مینڈھے اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے، آپ نے تسمیہ و تکبیر (بسم اللہ واللہ اکبر) کہی اور اپنا پاؤں اُن کی گردنوں پر رکھا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، ترقیم دارالسلام: ۵۰۸۷، صحیح بخاری: ۵۵۶۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ چُھری کو پتھر سے تیز کرو۔ پھر آپ نے مینڈھے کو لٹا کر ذبح کیا اور فرمایا: بسم اللہ، اے میرے اللہ! محمد، آلِ محمد اور امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶۷، دارالسلام: ۵۰۹۱)

۸) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ والے سال سات (آدمیوں) کی طرف سے (ایک) اونٹ اور سات کی طرف سے (ایک) گائے ذبح کی۔

(صحیح مسلم: ۱۳۱۸، ترقیم دارالسلام: ۳۱۸۵)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ اضحیٰ (عید قربان) آگئی تو ہم نے (ایک) گائے میں سات (آدمی) اور (ایک) اونٹ میں دس (آدمی) شریک کئے۔ (سنن الترمذی: ۱۵۰۱، وقال: "حسن غریب" الخ وسندہ حسن)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اونٹ میں سات یا دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور گائے میں صرف سات حصہ دار ہوتے ہیں۔ بکری اور مینڈھے میں اتفاق ہے کہ صرف ایک آدمی کی طرف سے ہی کافی ہے۔

حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سفر میں قربانی کرنا جائز ہے۔

۹) نمازِ عید کے بعد قربانی کرنی چاہئے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۵۴۵) و صحیح مسلم (۱۹۶۱)

عید کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۲۴

۱۰) سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: مسلمانوں میں سے کوئی (مدینہ

میں) اپنی قربانی خریدتا تو اسے (کھلا پلا کر) موٹا کرتا پھر اضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (!) میں اسے ذبح کرتا تھا۔

(المستخرج لابی نعیم بحوالہ تغلیق التعلیق ۶/۵ وسندہ صحیح، وقال احمد: ''ھذا الحدیث عجب'' صحیح البخاری قبل ح ۵۵۵۳ تعلیقاً)

تنبیہ: ''مدینہ میں'' والے الفاظ صحیح بخاری میں ہیں۔

۱۱) میت کی طرف سے قربانی کا ذکر جس حدیث میں آیا ہے وہ شریک القاضی اور حکم بن عتیبہ دو مدلسین کی تدلیس (عن سے روایت کرنے) اور ابوالحسناء مجہول کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۲۷۹۰ بتحقیقی) سنن الترمذی (۱۴۹۵) اور اضواء المصابیح (۱۴۶۲)

تاہم صدقے کے طور پر میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے لہٰذا اس قربانی کا سارا گوشت اور کھال وغیرہ مسکین یا مساکین کو صدقے میں دینا ضروری ہے۔

تنبیہ: عام قربانی (جو صدقہ نہ ہو) کی کھال خود استعمال میں لائیں یا کسی دوست کو تحفہ دے دیں، یا کسی مسکین کو صدقہ کر دیں لیکن یاد رہے کہ زکوٰۃ کی آٹھ اقسام میں قربانی کی کھالیں تقسیم کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

۱۲) سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے، آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے (ایک بکری قربان کرتا تھا) پھر بعد میں لوگوں نے ایک دوسرے پر فخر (اور ریس) کرنا شروع کر دیا۔

(موطأ امام مالک ج ۲ ص ۴۸۶ ح ۱۰۶۹، وسندہ صحیح، النسخۃ الباکستانیہ ص ۴۹۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۶۸/۹، سنن الترمذی: ۱۵۰۵، وقال: ''حسن صحیح'' سنن ابن ماجہ: ۳۱۴۷ وصححہ النووی فی المجموع شرح المہذب ۳۸۴/۸)

سنن ابن ماجہ وغیرہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ (وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ اگر گھر کا سربراہ یا کوئی آدمی ایک قربانی کر دے تو وہ سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہے۔

۱۳) عیدگاہ میں قربانی کرنا جائز ہے اور عیدگاہ کے باہر اپنے گھر وغیرہ میں قربانی کرنا بھی جائز ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۵۵۱، ۵۵۵۲)

۱۴) قربانی کا جانور خود ذبح کرنا سنت ہے اور دوسرے سے ذبح کروانا بھی جائز ہے۔ دیکھئے الموطأ (روایۃ ابن القاسم : ۱۴۵، بتحقیقی وسندہ صحیح، السنن الصغریٰ للنسائی ۲۳۱/۷ ح ۴۴۲۴، مسند احمد ۳۸۸/۳)

۱۵) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائیں ذبح کی تھیں۔

(صحیح بخاری: ۵۵۵۹، صحیح مسلم: ۱۲۱۱)

تنبیہ: جن روایات میں آیا ہے کہ گائے کے گوشت میں بیماری ہے، اُن میں سے ایک بھی صحیح ثابت نہیں ہے۔

۱۶) سیدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے فرمایا: بنو تغلب والے عیسائیوں کے ذبیحے نہ کھاؤ کیونکہ وہ اپنے دین میں سے سوائے شراب نوشی کے کسی پر بھی قائم نہیں ہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۸۴/۹ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ مرتدین اور ملحدین کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

۱۷) قربانی کا گوشت خود کھانا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۱۹

۱۸) ایک دفعہ سیدنا عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے مدینہ طیبہ میں قربانی کی اور سر منڈوایا، آپ فرماتے تھے: جو شخص حج نہ کرے اور قربانی کرے تو اُس پر سر منڈوانا واجب نہیں ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۸۸/۹ وسندہ صحیح، الموطأ ۴۸۳/۲ ح ۱۰۶۲)

۱۹) قربانی کا گوشت خود کھانا، دوستوں رشتہ داروں کو کھلانا اور غریبوں کو تحفتاً دینا تینوں طرح جائز ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۃ الحج (آیت نمبر ۲۸، ۳۶، اور فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۰۹/۲۶ وغیرہ)

۲۰) سیدنا عبداللہ بن عمر فرماتے تھے: جو شخص قربانی کے جانور (بیت اللہ کی طرف) روانہ کرے پھر وہ گم ہو جائیں، اگر نذر تھی تو اسے دوبارہ بھیجنے پڑیں گے اور اگر نفلی قربانی تھی تو اس کی مرضی ہے دوبارہ قربانی کرے یا نہ کرے۔ (السنن الکبریٰ ۲۸۹/۹ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۵۲ ص ۱۲، ۱۳

۲۱) سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے قربانی کے جانوروں میں ایک کانی اونٹنی دیکھی تو فرمایا: اگر یہ خریدنے کے بعد کانی ہوئی ہے تو اس کی قربانی کرلو اور اگر خریدنے سے پہلے یہ کانی تھی تو اسے بدل کر دوسری اونٹنی کی قربانی کرو۔ (السنن الکبریٰ ۹/ ۲۸۹ وسندہ صحیح)

۲۲) قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت اس کا چہرہ قبلہ رخ ہونا چاہئے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اس ذبیحے کا گوشت کھانا مکروہ سمجھتے تھے جسے قبلہ رخ کئے بغیر ذبح کیا جاتا تھا۔

(مصنف عبدالرزاق ۴/ ۴۸۹ ح ۸۵۸۵ وسندہ صحیح)

۲۳) منکرینِ حدیث قربانی کی سنیت کے منکر ہیں حالانکہ متواتر احادیث و آثار سے قربانی کا سنت ہونا ثابت ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر جاندار میں ثواب ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۲۳۶۳) وصحیح مسلم (۲۲۴۴)

۲۴) عید کی نماز میں دیر نہیں کرنی چاہئے بلکہ اسے جلدی پڑھنا سنت ہے۔
ایک دفعہ ایک امام نے عید کی نماز میں دیر کی تو عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا اور فرمایا: ہم تو اس وقت (جب چاشت کی نماز پڑھی جاتی ہے) اس نماز سے فارغ ہو جاتے تھے۔ (سنن ابی داود: ۱۱۳۵، وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم علی شرط البخاری ۱/ ۲۹۵ ووافقہ الذہبی) نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۹

۲۵) اگر قربانی کا ارادہ رکھنے والا کوئی شخص ناخن یا بال کٹوادے اور پھر قربانی کرے تو اس کی قربانی ہو جائے گی لیکن وہ گناہگار ہوگا۔ (الشرح الممتع علیٰ زاد المستقنع لابن عثیمین ۳/ ۴۳۰)

۲۶) قربانی ذبح کرنے والا اور شرکت کرنے والے حصہ دار سب صحیح العقیدہ ہونے چاہئیں۔

۲۷) اگر کسی کی طرف سے قربانی کی جائے تو ذبح کے وقت اس کا نام لیتے ہوئے یہ کہنا چاہئے کہ یہ قربانی اس (فلاں) کی طرف سے ہے۔

۲۸) قولِ راجح میں قربانی کے تین دن ہیں۔ دیکھئے الحدیث: ۴۴ ص ۶ تا ۱۱

آخر میں قربانی کے بارے میں امام ابن المنذر النیسا بوری کی مشہور کتاب الاجماع سے اجماعی مسائل پیشِ خدمت ہیں:

''۲۱۷- اجماع ہے کہ قربانی کے دن طلوع فجر (صبح صادق) سے پہلے قربانی جائز نہیں۔

۲۱۸- اجماع ہے کہ قربانی کا گوشت مسلمان فقیروں کو کھلانا مباح ہے۔

۲۱۹- اجماع ہے کہ اگر جائز آلہ سے قربانی کرے، بسم اللہ پڑھے، حلق اور دونوں رگیں کاٹ دے اور خون بہادے، تو ایسے قربان شدہ جانور کا کھانا مباح ہے۔

۲۲۰- اجماع ہے کہ گونگے کا ذبیحہ جائز ہے۔

۲۲۱- اجماع ہے کہ ذبیحہ کے پیٹ سے بچہ مردہ برآمد ہو تو اسکی ماں کی قربانی اس کے لئے کافی ہوگی۔

۲۲۲- اجماع ہے کہ عورتوں اور بچوں کا ذبیحہ مباح ہے اگر صحیح طریقہ سے ذبح کرسکیں۔

۲۲۳- اجماع ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اگر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں۔

۲۲۴- اجماع ہے کہ دارالحرب میں مقیم (اہل کتاب) کا ذبیحہ حلال ہے۔

۲۲۵- اجماع ہے کہ مجوس کا ذبیحہ حرام ہے، کھایا نہیں جائے گا۔

۲۲۶- اجماع ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں اور بچوں کا ذبیحہ حلال ہے (بسم اللہ کی شرط کے ساتھ)

۲۲۷- اجماع ہے کہ کتّے شکاری جانور ہیں، اگر کسی مسلمان نے انھیں شکار کرنا سکھایا، اور بسم اللہ کے بعد شکار پر چھوڑا، اور اس نے اس شخص کے لئے شکار پکڑ لیا تو ایسا شکار کھانا جائز ہے، بشرطیکہ کالا کتا نہ ہو۔

۲۲۸- اجماع ہے کہ دریائی شکار، یا اس کی خرید وفروخت، یا خورد ونوش حالتِ احرام وغیرہ میں بھی جائز ہے۔'' (کتاب الاجماع ص ۵۲، ۵۳، مترجم ابوالقاسم عبدالعظیم)



ابوالحسن انبالوی

ظہور احمد حضروی دیوبندی کا ''مبلغ علم''

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

ظہور احمد ''وکیل آل دیوبند'' بننے کے چکر میں یوں چکرائے کہ اپنی بے ربطی و بے ڈھنگی کو بھی دوسروں کا عیب سمجھتے ہیں اور اپنی تحریروں میں ''قافیہ نہ ملے گا بوجھ سے تو مرے گا'' پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے عوام کو طفل تسلی دے رہے ہیں کہ میں نے میدان مار لیا ہے۔زیر نظر سطور میں ان کی ایک ایسی ہی تحریر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ظہور احمد نے لکھا: ''زبیر علی زئی کا مبلغ علم......زبیر صاحب نے لکھا ہے کہ انہوں نے عربی زبان میں ''آثار السنن'' کے خلاف ایک کتاب ''انوار السنن'' کے نام سے لکھی ہے، اور بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ: میں نے یہ کتاب بعض فارغ التحصیل طلباء کو پڑھائی بھی ہے جس کا ریکارڈ ہمارے پاس آڈیو کیسٹوں کی صورت میں موجود ہے۔ (الحدیث:۵۱/ ۲۱)

لیکن ہمیں زبیر صاحب کی علمی قابلیت کو جانچنے کے لیے ان کے ریکارڈ کو دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں، اس لیے کہ ان کی یہ اردوں عبارت ہی ہمیں عربی میں ان کے مبلغ علم کا ثبوت فراہم کر رہی ہے کہ جس شخص کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جو لوگ علم سے فارغ التحصیل ہو جاتے ہیں ان کو علماء کہا جاتا ہے نہ کہ طلباء۔'' (التحقیق الحسن فی تائید آثار السنن ص ۷ ۳)

نیز لکھا ہے: ''اندازہ کریں کہ جن لوگوں کی اردو کا یہ حال ہے وہ بھی عربی میں اپنی مہارت کے دعوے کر رہے ہیں۔'' (علمائے دیوبند پر......الزامات کے جوابات ص ۲۳۰)

تجزیہ:

❀ ظہور احمد کا ''علم سے فارغ التحصیل'' لکھنا خود اس کی اپنی جہالت کی دلیل ہے،

کیونکہ مدارس کے رائج نصاب سے فراغت کا قطعاً یہ معنی نہیں کہ آدمی علم ہی سے فارغ ہو گیا ہے، علم کی جستجو تو ساری زندگی ختم نہیں ہوتی، طلبِ علم کے لیے عمر بھر تگ و دو جاری رہتی ہے۔ بعض آل دیوبند نے اس فراغت کو رسم قرار دیا ہے۔ چنانچہ نور عالم خلیل امینی استاذ دارالعلوم دیوبند، اعجاز احمد اعظمی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''گویا رسمی طور پر دارالعلوم سے فراغتِ تعلیمی ان کے نصیب میں نہ تھی۔'' (ترجمان دارالعلوم، شمارہ: ۲۴۵۔۲۴۶، ص ۶۳)

ظہور احمد کے ''بقیۃ السلف'' سلیم اللہ خان دیوبندی نے اپنے بارے میں لکھا: ''پھر احقر کو دیوبند بھیج دیا گیا، وہاں پانچ سال گزارے، دارالعلوم کا رائج نصاب پورا کیا۔'' (کشف الباری جلد اول ص ۵۴)

نیز لکھتے ہیں: ''دارالعلوم سے فراغت کے وقت بیس سال عمر تھی۔''

جناب کے ''استاذ العلماء'' نے بھی رائج نصاب اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت لکھا ہے نہ کہ علم سے فراغت! کیا خیال ہے کہ سلیم اللہ خان صاحب نے بیس سال کی عمر کے بعد حصول علم کی کوئی کوشش نہیں کی؟؟

❀ طلباء: اردو لغت کی مشہور کتاب ''فیروز اللغات'' (ص ۵۱۲) میں لکھا ہوا ہے کہ ''طلباء.................. علم کی جستجو کرنے والے، طالبان علم'' لہٰذا جو لوگ علم کی جستجو میں کسی استاذ کے سامنے زانوائے تلمذتہ کرتے ہیں ان پر طلبا کا اطلاق بالکل صحیح ہے۔

❀ مدارس (درس نظامی کے مروجہ نصاب) سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد مزید تعلیم کے لیے دنیا کی جس یونیورسٹی میں بھی داخلہ لیتے ہیں، مثلاً: جامعہ اسلامیہ (سعودی عرب) جامعہ ازھر (قاہرہ) انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، تو انہیں وہاں طلبا ہی میں شمار کیا جاتا ہے نہ کہ علماء کی صف میں کھڑا کر کے ادب و احترام کے تقاضے پورے کیے جاتے ہیں۔

معلوم شد کہ کسی بھی فن میں تخصص، مدارس میں رائج نصاب سے فراغت کے بعد ہوتا ہے، چنانچہ مفتی محمد طفیل دیوبندی نے تخصص کرنے والوں کو علماء کے بجائے طلبا ہی قرار دیا

ہے۔ دیکھئے عمدۃ النظر شرح نخبۃ الفکر (ص ۵)

فارغ التحصیل طلباء اور مفتی محمد شفیع دیوبندی

محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے ''فارغ التحصیل طلباء'' لکھا تو ظہور احمد نے سیخ پا ہو کر قلم کو دراز کیا۔ ظہور جی! ہم یہی عبارت آپ کے اکابر سے ثابت کر رہے ہیں، لہٰذا اب اپنے ''معیارِ علم'' کو اپنی دوغلی پالیسی کے ذریعے سے بدل نہ لینا تو ملاحظہ کیجئے آل دیوبند کے ''شیخ الاسلام'' تقی عثمانی کے والد محترم مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں: ''کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل طلباء کو سند یا سارٹیفکیٹ دینا اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے۔ (معارف القرآن ۳/۷۱)

ظہور صاحب! آپ کے ''شیخ الاسلام'' تقی عثمانی کے والد محترم مفتی محمد شفیع دیوبندی کو معلوم ہی نہیں کہ ''فارغ التحصیل علماء ہوتے ہیں نہ کہ طلباء۔''

پس اپنے شعروں کی پٹاری کھولیں اور ''ان کی شان'' میں لکھ دیں کہ

گل گئے گلشن گئے جنگل دھتورے رہ گئے
اڑ گئے دانا جہاں سے بے شعورے رہ گئے

کہاں ''مفتی اعظم'' کہلانا اور کہاں یہ اردو عبارت! لہٰذا آپ کا تحریر کردہ شعر:

بت کریں آرزو خدائی کی
کیا شان ہے تیری کبریائی کی

''مفتی صاحب کی شان'' کے عین مطابق ہے۔

اور تو اور بقول آپ کے ''ان کی یہ اردو عبارت ہی ان کے مبلغ علم کا ثبوت فراہم کر رہی ہے۔''

ظہور صاحب! آپ نے اپنے اور مفتی محمد شفیع دیوبندی کے ''مبلغ علم'' کی جو تصویر کشی کی ہے اس پر آپ کو داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

وہ الزام ہمیں دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

خوشبوئے حدیث
عبداللہ یوسف ذہبی

تحمل و بردباری
سیرۃ النبی ﷺ کا عظیم پہلو

زندگی میں ہر شخص کو بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ان کی طرف سے بہت سی مشکلات کا سامنا بھی ہوتا ہے، کسی نے مذاق کر دیا تو کسی نے سخت لہجے میں بات کر دی، کسی نے جھوٹا الزام لگا دیا تو کسی نے لعن طعن اور گالی گلوچ شروع کر دی، کوئی حق دبا کر بیٹھ گیا اور کوئی اپنا حق لینے کے لیے سر پر آ بیٹھا۔ ایسے حالات میں ایک عام انسان جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے اور غیظ و غضب سے اس کی رگیں پھولنے لگتی ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ فوراً انتقامی کارروائی کی جائے اور بولنے والے کو منہ توڑ جواب دیا جائے۔ ایسے موقع پر شیطان بھی انسان کو 'دلیر' بناتا ہے اور اسے 'حوصلہ' دیتا ہے کہ اٹھو! ہمت دکھاؤ، تم کمزور نہیں ہو، بدلہ لو، تمہاری عزت پر حملہ ہوا ہے، سب لوگوں کے سامنے تمھاری توہین کی گئی ہے۔ آخر عزتِ نفس بھی کوئی چیز ہے۔ اٹھو، اٹھو! اپنا حق نہ چھوڑو...

شیطان کی بات مان کر انسان گالی کا جواب گالی سے، تھپڑ کا جواب مُکے سے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دے کر شاید وقتی طور پر ذہنی سکون پا لے اور اپنی پوزیشن بہتر سمجھ لے، لیکن اس انتقام کے جو اثرات و نتائج بعد میں مرتب ہوتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔

دینِ اسلام نے جذباتی اور بے قابو ہو کر اس قسم کے فیصلے کی اجازت نہیں دی، بلکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو ایسے حالات میں عقل و ہوش سے کام لینے اور طاقت ہونے کے باوجود دوسروں کو معاف کر دینے کا سبق دیتا ہے۔ اس بہترین خصلت کا نام 'حِلم' ہے جسے ہم بردباری کے لفظ سے پہچانتے ہیں۔

یہ صفت اللہ رب العزت میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ وہی سب سے بڑا بردبار ہے۔ اللہ کے پیارے پیارے ناموں میں ایک نام 'الحلیم' بھی ہے، جس کا تذکرہ قرآن مجید

میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (آل عمران:١٥٥)

''بے شک اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے حلم اور بردباری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ لوگ اسی کا کھا کر اسی سے بغاوت اور اعلانِ جنگ کرتے ہیں، اس کی اولاد ثابت کرتے ہیں، اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، اس کی حدوں کو پامال کرتے ہیں، لیکن وہ اتنا صابر اور حلیم ہے کہ ان تمام چیزوں کے باوجود انھیں رزق بھی دیے جا رہا ہے اور توبہ کی مہلت بھی۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْسَ أَحَدٌ أَصْبَرُ عَلٰى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللّٰهِ إِنَّهُمْ لَيَدْعُوْنَ لَهُ وَلَدًا وَإِنَّهُ لَيُعَافِيْهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ.)) (صحيح البخاري: ٦٠٩٩، صحيح مسلم: ٢٨٠٤)

''اللہ سے بڑھ کر تکلیف دہ بات کو سن کر صبر کرنے والا کوئی نہیں۔ لوگ اس کے لیے اولاد ٹھہراتے ہیں، جبکہ وہ انھیں (صحت و) عافیت دیتا ہے اور روزی بھی دیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے بعد صبر و تحمل کی سب سے زیادہ قوت انبیاء علیہم السلام میں پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض انبیاء کی یہ صفت بطورِ خاص ذکر فرمائی ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾ ''بے شک ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا بھی صاحبِ حلم عطا فرمایا، جو اللہ کی طرف سے قربان ہونے کا حکم سُن کر فوراً تیار ہو گیا۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ (الصافات: ١٠١)

''تو ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو ایک بڑے بردبار لڑکے کی خوشخبری دی۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے ان سب کو اپنی اپنی قوم کی طرف سے زیادتیوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اور سب نے صبر و تحمل

سے کام لیا۔ انھوں نے برائی کا جواب برائی سے دینے اور لوگوں سے الجھنے کی بجائے ان کی کڑوی کسیلی باتوں کو صبر سے برداشت کیا۔ نبی کریم ﷺ نے انھی انبیاء میں سے ایک نبی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''ان کی قوم نے انھیں مارا اور خون آلودہ کر دیا، لیکن وہ نبی خون صاف کرتے ہوئے اور یہ دعا کرتے جاتے:

" اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ."

''اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما، کیونکہ یہ لوگ جانتے ہی نہیں ہیں۔''

(صحيح البخاري: ٣٤٧٧، صحيح مسلم: ١٧٩٢)

ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ بھی کمال درجے کے حلیم تھے۔ آپ کے حلم کی مثالیں تو آئندہ صفحات میں ذکر کی جائیں گی، سردست آپ کے صبر و تحمل کے حوالے سے چند تعلیمات پیش کی جاتی ہیں، جب آپ نے اپنے پیارے صحابی اشج رضی اللہ عنہ کو حلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

((إِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ.))

''بلاشبہ میں دو خوبیاں ایسی ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں: حلم اور جلد بازی نہ کرنا۔''

(صحيح مسلم : ٢٥/ ١١٧)

اسی طرح کا ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر نصیحت کا طلبگار رہا تو آپ نے فرمایا: ''غصہ نہ کرو۔'' اس نے دوبارہ عرض کیا تو آپ نے دوبارہ اور سہ بارہ یہی نصیحت فرمائی کہ ''غصہ نہ کیا کرو۔'' (صحيح البخاري: ٦١١٦)

خلافِ مزاج واقعہ پر اچھا خاصا سمجھ دار انسان بے قابو ہو جاتا ہے اور عقل و خرد سے کام لینا چھوڑ دیتا ہے۔ غصے کی حالت میں نہ تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کا خیال رہتا ہے اور نہ اخلاق کے تقاضوں ہی کا کوئی پاس رہتا ہے۔ اس لیے آپ نے اپنے صحابی کو یہی وصیت فرمائی کہ وہ غصہ نہ کیا کرے۔ غصے کے وقت خود کو قابو میں رکھنا بہت دل گُردے کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ.))

''پہلوان وہ نہیں جو کُشتی لڑنے میں غالب آ جائے، بلکہ اصل پہلوان تو وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔''

(صحيح البخاري: ٦١١٤، صحيح مسلم: ٢٦٠٩)

غصے کو پی جانے اور طاقت ہونے کے باوجود بدلہ نہ لینے کی فضیلت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے غصے کو روک لے، باوجود یکہ وہ اسے نافذ کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق کے سامنے بُلا کر اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے پسند کر لے۔''

(سنن ابن ماجه: ٤١٨٦، سنن أبي داود: ٤٧٧٧، حسنه الشيخ زبير علي زئی رحمه الله)

تجربے اور مشاہدے کی بات ہے کہ حالتِ غصہ میں وقتی طور پر اپنے نفس کو کنٹرول کرنے میں تھوڑی مشکل ضرور پیش آتی ہے، لیکن بندہ مستقبل کی پریشانی سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص کسی کی بات کا بتنگڑ بنا کر بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، وہ وقتی طور پر تو شاید مطمئن ہو جائے کہ اس نے بہت بڑا معرکہ مار لیا ہے، لیکن بعد میں اسے اپنے کیے پر ضرور ندامت اور افسوس ہوتا ہے۔ اس لیے دوسروں کی تکلیف دہ باتیں سن کر وقتی پریشانی کو برداشت کرتے ہوئے انھیں نظر انداز کر دینا ہی عزت والا راستہ ہے۔

ہمارے پیارے نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ بھی حلم اور بردباری کے عظیم پیکر تھے۔ لوگ آپ کو بُرا بھلا کہتے، آپ کے ساتھ نہایت گھٹیا زبان میں کلام کرتے، آپ پر جھوٹے الزام لگاتے، آپ کو مارتے اور قتل تک کی دھمکیاں دیتے لیکن آپ ان سب کو نہ صرف برداشت کرتے بلکہ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے دعا بھی کرتے۔ آیئے کتبِ حدیث سے نبی کریم ﷺ کے حلم اور آپ کی برداشت کی چند مثالیں ملاحظہ کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کا الزام تراشی سننے کے بعد معاف فرمانا

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین کے بعد نبی کریم ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم کرتے ہوئے بعض لوگوں کو (تالیفِ قلب کی خاطر) زیادہ مال سے نوازا۔ جیسے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیے، اتنے ہی اونٹ عیینہ بن حصین رضی اللہ عنہ کو دیے اور عرب کے بعض دیگر معزز لوگوں کو بھی آپ نے زیادہ مال عطا فرمایا۔ ایک آدمی کہنے لگا کہ اس تقسیم میں نہ تو عدل کیا گیا ہے اور نہ اللہ کی خوشنودی ہی کا خیال رکھا گیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو اس شخص کی یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا:

((فَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسَى قَدْ أُوْذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ.))

''اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرتے تو پھر اور کون عدل کرے گا؟ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ انھیں اس سے بھی زیادہ تنگ کیا گیا، لیکن انھوں نے صبر کیا۔''

(صحيح البخاري: ٣١٥٠، صحيح مسلم: ١٠٦٢)

نبی کریم ﷺ نے بعض لوگوں کو اس لیے مال زیادہ عطا کیا تھا کہ آپ انھیں اسلام کے قریب اور دین میں مضبوط کرنا چاہتے تھے اور ان کے دل جیت کر ان سے اسلام کے لیے کام لینا چاہتے تھے۔ آپ کی کوئی ذاتی غرض اس تقسیم سے وابستہ نہیں تھی، لیکن اس منافق شخص نے آپ پر الزام لگایا کہ آپ نے عدل سے کام نہیں لیا اور آپ نے اللہ کی رضا کو ملحوظ نہیں رکھا۔ (والعیاذ باللہ)

ایسے مواقع پر ہر شخص آگ بگولا ہو جاتا ہے اور لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، کیوں کہ عزتِ نفس ہر کسی کو پیاری ہوتی ہے، جب بھی کوئی کسی کی عزت پر حملہ آور ہوتا ہے اور بہتان تراشی کرتا ہے تو اس کا غصے میں آ جانا اور مقابلے کے لیے تیار ہو جانا اور اپنی صفائیاں پیش کرنا ایک فطری عمل ہے، لیکن قربان جائیں! امام الانبیاء ﷺ کے حسنِ اخلاق

پر کہ آپ نے اس کے سامنے اپنا منصب اور مقام پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں فرمایا، یعنی میں اللہ کا پیغامبر ہوں، مجھے بھیجنے والا بھی عدل وانصاف والا ہے اور میں بھی اس کی توفیق سے کبھی عدل وانصاف کا دامن چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ پھر آپ نے موسیٰ علیہ السلام پر ان کی قوم کی طرف سے کی گئی زیادتیوں پر ان کے صبر کا تذکرہ فرما کر امتیوں کو بہترین سبق دیا کہ مصائب وتکالیف پر صبر کرنا انبیاء کی عظیم سنت ہے۔

آج ہمیں بھی جب لوگوں کی طرف سے کسی زیادتی کا سامنا ہو تو انبیاء علیہم السلام کے مصائب اور ان کے صبر وتحمل کو یاد کر کے انتقام لینے کی بجائے صبر وحوصلے سے کام لینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

قتل کی دھمکی اور نبی ﷺ کا تحمل

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف غزوہ کے لیے گئے۔ دوپہر کا وقت ہوا تو آپ ایک جنگل میں پہنچے جہاں ببول کے درخت بہت تھے۔ آپ نے گھنے درخت کے نیچے سائے میں آرام کے لیے قیام کیا اور درخت کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا دی۔ صحابہ بھی درختوں کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے پھیل گئے۔ ابھی ہم اسی کیفیت میں تھے کہ نبی ﷺ نے ہمیں پکارا۔ ہم حاضر ہوئے تو ایک دیہاتی آپ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ شخص میرے پاس آیا تو میں سو رہا تھا۔ اتنے میں اس نے میری تلوار مجھ پر سونت لی اور میں بیدار ہو گیا۔ یہ میری ننگی تلوار مجھ پر سونتے کھڑا مجھ سے کہنے لگا: آج تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: ''اللہ۔ یہ تلوار کو نیام میں رکھ کر بیٹھ گیا اور دیکھو یہ بیٹھا ہوا ہے۔'' آپ نے اسے کوئی سزا نہیں دی اور بیٹھ گئے۔

(صحيح البخاري: ٢٩١٠، صحيح مسلم: ١٣/ ٨٤٣، الرقم المسلسل: ٥٩٥٠)

وہ شخص اللہ کے نام سے اتنا ہیبت زدہ ہوا کہ فوراً تلوار رکھ کر بیٹھ گیا۔ نبی ﷺ چاہتے تو اپنے جانثار صحابہ کو حکم دے کر اسے قتل بھی کروا سکتے تھے، خود بھی بدلہ لے سکتے تھے۔ وہ اکیلا

تھا اور آپ کے ساتھ صحابہ کی پوری جماعت تھی۔ اسے اس کی بدتمیزی اور جرأت کا سبق سکھانے کا پورا موقع تھا، لیکن آپ نے اسے کچھ نہیں کہا۔ یہ صبر و تحمل کی عظیم مثال ہے۔

انتہائی غیر مناسب رویے پر بھی پیارے نبی ﷺ کا مسکرانا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ نجران کی بنی ہوئی حاشیہ دار چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی نے آپ کو گھیر لیا اور (چادر پکڑ کر) زور سے کھینچا۔ میں نے آپ کے شانے کو دیکھا تو اس پر چادر کے کونے کا نشان تھا۔ اس شخص نے کہا: اے محمد! اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے مجھے بھی دلاؤ۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرا دیے اور اسے مال دینے کا حکم دیا۔

(صحيح البخاري: ٥٨٠٩، صحيح مسلم: ١٠٥٧)

اس شخص کا آپ نے نہ تو قرض دینا تھا اور نہ آپ کے ذمے اس کا کوئی حق تھا، لیکن وہ جس غیر مناسب انداز میں آ کر آپ سے مال کا مطالبہ کر رہا ہے۔ وہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اس کے باوجود آپ مسکرا دیے اور اسے دینے کا حکم جاری فرما دیا۔ یہ کردار ہے امام الانبیاء اور اولاد آدم کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ کا! کیا آج کوئی مال دار شخص ایسا کوئی ایک اخلاقی نمونہ پیش کر سکتا ہے؟

فائدہ: نبی ﷺ کو "یا محمد" کہہ کر پکارنا، آپ کی تعظیم و تکریم کے منافی ہے۔ منافق اور بدو آپ کو اس انداز سے پکارتے تھے۔ کسی صحابی کا آپ کو "یا محمد" کہہ کر پکارنا ثابت نہیں۔ افسوس! آج "عشقِ رسول" کے دعویدار 'یا محمد' کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے!!!

ثمامہ کی غیر معمولی گفتگو اور آپ کا صبر

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے۔ وہ قبیلہ بنو حنیفہ کے ثمامہ بن اثال نامی شخص کو پکڑ کر لائے اور مسجد نبوی کے ستونوں میں سے

ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور پوچھا: ''اے ثمامہ! تیرے پاس کیا؟'' اس نے کہا: محمد! میرے پاس خیر ہے۔ اگر تم مجھے قتل کردو تو ایک خونی شخص کو قتل کرو گے اور اگر تم مجھ پر احسان کرو گے تو احسان کا بدلہ چکانے والے شخص پر احسان کرو گے۔ اگر تمھیں مال چاہیے تو جتنا چاہو مجھ سے مانگ سکتے ہو۔

رسول اللہ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔ المختصر! دوسرے اور تیسرے دن بھی آپ نے اس سے آکر وہی بات کہی اور اس نے بھی یہی بات دہرائی۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو۔'' چنانچہ وہ مسجد نبوی سے قریب ایک باغ میں گیا اور غسل کرکے مسجد میں حاضر ہوا، اور أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میرے لیے روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ بُرا نہیں تھا، لیکن آج آپ کے چہرے سے زیادہ مجھے کوئی چہرہ محبوب نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! کوئی دین مجھے آپ کے دین سے زیادہ بُرا نہیں لگتا تھا، لیکن آج آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مجھے بُرا نہیں لگتا تھا، لیکن آج آپ کا شہر میرا سب سے زیادہ محبوب شہر ہے......

(صحيح البخاري: ٤٣٧٢، صحيح مسلم: ١٧٦٤)

اس حدیث میں داعیانِ حق کے لیے سبق ہے کہ وہ میٹھے بول اور حسنِ کردار کی بدولت لوگوں کے دل جیت سکتے ہیں اور اپنے دشمنوں اور مخالفین کو اپنا گرویدہ بنا سکتے ہیں۔ ثمامہ جو کچھ دیر پہلے اسلام اور نبیٔ اسلام کا دشمن تھا اور بڑی جرأت کے ساتھ نبی ﷺ کے ساتھ ہم کلام ہو رہا تھا، آپ کے تحمل کو دیکھ کر ایسا پسیج گیا کہ اسلام قبول کیے بغیر نہ رہ سکا اور شمعِ نبوت کے پروانوں میں شامل ہو گیا۔

سچ فرمایا ہے اللہ رب العزت نے: ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾

''اور نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اُس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو

گے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔"
(٤١/ حٰمٓ السَّجْدَة: ٣٤)

قرض خواہ کا جاہلانہ رویہ اور نبی ﷺ کا حلم

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضا کرنے آیا جو آپ کے ذمے تھا۔ اس نے آپ سے سخت لہجے میں بات کی اور یہاں تک کہہ دیا: اگر آپ ادا نہیں کریں گے تو میں آپ کے ساتھ سخت رویہ اختیار کروں گا۔

صحابہ نے اسے ڈانٹا اور کہا: تجھ پر افسوس ہے! کیا تجھے معلوم نہیں کہ تو کس سے مخاطب ہے؟ اس نے کہا: میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔ نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "تم نے حق والے کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ پھر آپ نے سیدہ خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ اگر تمھارے پاس کھجوریں ہیں تو ہمیں قرض دے دو، ہماری کھجوریں آئیں گی تو ہم تمھارا قرض چکا دیں گے۔" انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ضرور کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ چنانچہ انھوں نے آپ کو کھجوریں قرض دے دیں۔ آپ نے دیہاتی کو قرض ادا کر دیا اور اسے کھانا کھلایا۔ وہ کہنے لگا: آپ نے مجھے پورا حق دے دیا ہے، اللہ آپ کو پورا عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: "یہ بہترین لوگ ہیں، وہ قوم کبھی پاک نہیں ہوتی جس میں کمزور کو پریشان کیے بغیر اس کا حق نہ دیا جائے۔" (سنن ابن ماجه: ٢٤٢٦، حسنه الشيخ زبير علي زئي رحمه الله)

قرض خواہ کا آپ کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے اور قرض واپس نہ کرنے کی صورت میں مزید سختی کی دھمکی دینے کے باوجود آپ نے اسے کچھ کہنے کی بجائے اپنے صحابہ کو سمجھایا جو اس سے ناراض ہو رہے تھے، پھر آپ نے اس پر مزید احسان کرتے ہوئے اسے کھانا بھی کھلایا۔ اس حسن سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص کچھ دیر پہلے غصے سے بھرا ہوا تھا، آپ کو دعائیں دینے لگا۔ صبر و تحمل کا یہی فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس غصے کے مقابلے میں غصہ دکھانے اور آپے سے باہر ہو جانے سے باہمی لڑائی جھگڑے، مار کٹائی اور بسا

اوقات قتل و غارت تک نوبت آجاتی ہے۔ یہ بحث وتکرار اور لڑائی جھگڑا کوئی اچھی چیز نہیں بلکہ گمراہی کا سبب ہے۔ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ اِلَّا اُوْتُوْا الْجَدَلَ.))

''کوئی قوم ہدایت پانے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر جب وہ بحث ومباحثہ میں مبتلا کر دی گئی۔''

(سنن ابن ماجه: ٤٨، جامع الترمذي: ٣٢٥٣، حسنه الشيخ زبير علي زئي رحمه الله)

لہٰذا لڑائی جھگڑے اور بحث مباحثے سے حتی المقدور بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

انسان اگر حق پر ہو، تب بھی اسے اپنا حق وصول کرنے کے لیے صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے، ایسے شخص کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ایک محل کی ضمانت دی ہے۔ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَ إِنْ كَانَ مُحِقًّا.))

''میں اس شخص کے لیے جنت کے ایک جانب میں ایک گھر کا ذمہ دار ہوں جو حق پر ہوتے ہوئے بھی بحث وتکرار چھوڑ دیتا ہے۔''

(سنن أبي داود: ٤٨٠٠، حسنه الشيخ زبير علي زئي رحمه الله)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرنے والا!

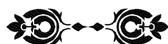
سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یمن سے ایک تھیلے میں سونے کی ڈلیاں لائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سونا چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید الخیل اور علقمہ یا عامر بن طفیل رضی اللہ عنہم۔ ایک شخص کہنے لگا: ان لوگوں سے زیادہ ہم اس سونے کے مستحق تھے۔ جب آپ کو اس بات کا پتا چلا تو آپ نے فرمایا: ''تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے؟ حالانکہ اس اللہ نے مجھ پر اعتبار کیا ہے جو آسمان میں ہے، اور اس اللہ کی وحی صبح وشام مجھ پر آتی ہے۔'' پھر ایک شخص جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی، رخسار پھولے ہوئے، پیشانی ابھری ہوئی، گھنی داڑھی، سر منڈا ہوا، تہبند اٹھائے ہوئے تھا،

کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریے! آپ نے فرمایا: ''افسوس ہے تجھ پر! کیا میں اس روئے زمین پر اللہ سے ڈرنے کا سب سے زیادہ حق دار نہیں ہوں؟'' وہ آدمی چلا گیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کیوں نہ اس شخص کی گردن تن سے جدا کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔'' خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: بہت سے نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن ان کے دل میں وہ نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دلوں کی کھوج لگاؤں اور نہ اس بات ہی کا حکم ہے کہ ان کے پیٹ چاک کروں۔''

(صحيح البخاري: ٤٣٥١، صحيح مسلم: ١٤٤/ ١٠٦٤)

قارئین کرام! غور کیجئے کہ وہ شخص امام الانبیاء کے سامنے کس انداز میں گفتگو کر رہا ہے، لیکن آپ انتہائی تحمل سے اس کا جواب دے رہے ہیں جس سے اسے مزید بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ کیا آج ہم دین کے دعویدار اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ پر عمل کرتے ہیں؟ دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ ہمیں مسلمانوں کے ظاہری عمل کے مطابق ہی ان سے سلوک کرنا چاہیے۔ باقی رہا ان کے دل کا معاملہ، تو وہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔

ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی سے صبر و تحمل کا درس ملتا ہے۔ موجودہ حالات میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پہلو کو اپنانے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔



تصنیف : امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ ترجمہ و تحقیق: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

اثبات عذاب القبر

باب ۱۳: اہل ایمان کو عذاب قبر سے ڈرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو فرمایا:

﴿وَ لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۞ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۞﴾

''اور اگر ہم تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو تُو ان (مشرکوں) کی طرف تھوڑا سا جھک جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم تجھے (دنیا کی) زندگی میں دوگنا اور موت کے بعد دوگنے عذاب کا مزہ چکھاتے، پھر تو ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتا۔'' (۱۷/ بنی اسرائیل: ۷۴، ۷۵)

ابوالقاسم حسن بن محمد بن حبیب (مفسر) نے اپنی تفسیر میں حسن ابن ابی حسن البصری سے ''ضعف الممات'' کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ عذاب قبر ہے۔

۹۷) ضعف الممات کی تشریح میں عطاء (بن ابی رباح) سے مروی ہے کہ عذاب ہے۔

۹۸) عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور میرے پاس ایک یہودی عورت کہہ رہی تھی: کیا تجھے پتا ہے کہ تمھیں قبروں میں آزمایا جاتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آزمایا تو یہودیوں کو جاتا ہے۔'' عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: کچھ راتیں گزریں تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''کیا تجھے معلوم ہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تمھیں قبروں میں آزمایا جاتا ہے۔'' عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو (ہمیشہ) قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۹۹) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے

....

۹۷) إسناده ضعيف جدًا، جابر بن یزید الجعفی ضعیف رافضی تھا اور سفیان الثوری مشہور مدلس ہیں۔

۹۸) صحيح مسلم: ۵۸۴.

۹۹) صحيح البخاري: ۱۳۷۳.

ہوئے تو آپ نے قبر کے فتنے کا (بھی) ذکر کیا جس میں آدمی کو قبر میں آزمایا جاتا ہے۔ جب آپ نے یہ ذکر کیا تو مسلمان رونے لگے۔ شور کی وجہ سے میں نبی ﷺ کا (باقی) کلام نہ سمجھ سکی جب شور ختم ہوا تو میں نے اپنے قریب ایک آدمی سے کہا: اللہ تجھے برکتیں دے۔ رسول اللہ ﷺ نے آخر میں کیا فرمایا ہے؟

تو اس نے کہا: (آپ نے فرمایا:) ''میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمھیں دجال کے فتنے کی طرح قبروں میں (بھی) آزمایا جاتا ہے۔'' اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۱۰۰) عطاء بن یسار (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے عمر! اس وقت کیسا ہوگا، جب تیرے لیے تین ہاتھ اور ایک بالشت (لمبی) اور ایک ہاتھ اور ایک بالشت چوڑی قبر، زمین میں سے تیار کی جائے گی۔ پھر تیرے گھر والے تجھے نہلائیں گے۔ کفن پہنائیں گے اور خوشبو لگائیں گے۔ پھر وہ تجھے اٹھا کر (اس قبر میں) غائب کر دیں گے۔ پھر تیرے اوپر مٹی ڈال کر چلے جائیں گے تو تیرے پاس قبر کے دو آزمانے والے فرشتے منکر اور نکیر آ جائیں گے۔ ان کی آوازیں زوردار گرج کی طرح اور آنکھیں اچکنے والی بجلی جیسی ہوں گی، ان کے بال لٹکے ہوئے ہوں گے۔ وہ تجھے ڈرائیں دھمکائیں گے اور کہیں: تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تو انھوں (عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا: اے اللہ کے نبی! (ﷺ) کیا اس وقت (میری عقل اور) میرا دل میرے ساتھ ہوگا جو آج ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جی ہاں۔'' تو انھوں نے کہا: میں اللہ کے حکم سے، ان دونوں کو کافی ہوں۔

۱۰۱) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! وہ وقت کیسا ہوگا جب تجھے زمین کے پاس لے جایا جائے گا۔ تو تین ہاتھ اور ایک بالشت لمبی اور ایک ہاتھ ایک بالشت چوڑی قبر کھودی جائے گی، پھر تیرے پاس منکر نکیر آئیں گے۔ کالے سیاہ، وہ اپنے بالوں کو گھسیٹ رہے ہوں گے۔ ان کی آوازیں زوردار گرج کی طرح

---

۱۰۰) ضعیف، اسے آجری نے کتاب الشریعہ (ص ۳۶۶، ۳۶۷) میں روایت کیا ہے۔ ابوزرعہ نے کہا: عطاء بن یسار نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا (کتاب المراسیل ص ۱۵۷)، لہٰذا سند منقطع ہے۔

۱۰۱) إسناده ضعيف جدًا، محمد بن عمر الواقدی سخت مجروح اور متروک راوی ہے۔ دیکھئے (ح ۱۱، ۴۸)

اور آنکھیں اچکنے والی بجلی کی طرح ہوں گی۔ وہ اپنے پنجوں سے زمین میں گڑھے کر رہے ہوں گے۔ وہ تجھے خوف زدہ حالت میں بٹھائیں گے۔ پھر تجھ سے سوالات کریں گے اور تجھے خوف زدہ کریں گے۔ انھوں نے (عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس وقت اس (موجودہ) حالت میں ہوں گا؟ تو آپ نے فرمایا: ''جی ہاں۔'' تو انھوں نے کہا: میں اللہ کے حکم سے ان دونوں کو کافی ہوں۔

۱۰۲) ابو سھل (یا ابو شھر) سے روایت ہے، وہ اپنے باپ سے اور وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! تیری اس وقت کیا حالت ہوگی جب تو زمین کے دو ہاتھ ٹکڑے میں (دفن) ہوگا۔ پھر تو منکر نکیر کو دیکھے گا؟ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! منکر نکیر کون ہیں؟ فرمایا: قبر کے آزمانے والے (فرشتے) ہیں۔ ان کی آنکھیں ایسی ہیں جیسے اچک لینے والی بجلی اور آوازیں بادلوں کی تیز کڑک کی طرح ہیں۔ ان کے پاس ایک ہتھوڑا ہوتا ہے جسے وہ اس لاٹھی سے زیادہ آسانی کے ساتھ اٹھا لیتے ہیں، جبکہ اگر تمام منیٰ والے جمع کر دیے جائیں تو وہ سب مل کر بھی اسے اٹھا نہیں سکتے، پھر وہ تجھے آزمائیں گے۔ اور اگر تو ناکام رہا تو تجھے ایسی مار ماریں گے کہ راکھ بنا دیں گے۔'' انھوں (عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا: یا رسول اللہ! میں اسی حالت پر ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: ''جی ہاں۔'' تو انھوں نے کہا: میرا خیال ہے کہ میں ان (دونوں) کو کافی ہوں۔

۱۰۳) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک قبر ایک جھٹکا دیتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے بچ پاتا تو وہ سعد بن معاذ ہوتے۔''

۱۰۴) عائشہ (رضی اللہ عنہا ہی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اگر کوئی آدمی قبر کے جھٹکے سے بچ جاتا تو سعد بن معاذ ہوتے۔

....

۱۰۲) إسناده ضعيف جدًا. مفضل بن صالح کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا: منکر الحدیث ہے۔ (التاریخ الصغیر ص ۲۰۹) اور ایسے راوی سے روایت لینا حلال نہیں ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۶) وغیرہ

۱۰۳) صحیح، اسے علی بن الجعد (الجعدیات ۲/ ۶۲۵، ح ۱۶۰۱) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۰۴) صحیح، دیکھئے حدیث سابق (۱۰۳)

۱۰۵) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کوئی ایک آدمی (بھی) قبر کے عذاب سے بچ جاتا تو سعد (بن معاذ رضی اللہ عنہ) بچ جاتے۔ پھر آپ نے اپنی تین انگلیاں اکٹھی کیں، گویا پھرائیں۔ پھر فرمایا: ''انھیں جھٹکا دیا گیا، پھر یہ ٹل گیا۔''

۱۰۶) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ نیک بندہ، جس کے لیے عرش ہل گیا، آسمان کے دروازے کھل گئے اور اس کے پاس ایسے ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے جو اس سے پہلے زمین پر کبھی نہیں اترے۔ انھیں ایک جھٹکا دیا گیا، پھر اسے موقوف کر دیا گیا، یعنی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ۔''

۱۰۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی، عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نے میرے پاس آکر باتیں کیں۔ اور راوی نے یہودی عورت کا قصہ، عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کرنا، اور آپ کا قبول کرنا بیان کیا۔ (عائشہ رضی اللہ عنہا نے) فرمایا: آپ نے میرے سامنے کوئی بات بھی نہیں لوٹائی۔ پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''اے عائشہ! اللہ سے عذاب قبر کی پناہ مانگو کیونکہ اگر کوئی ایک (بھی) اس سے بچ پاتا تو وہ سعد بن معاذ ہوتے، لیکن انھیں جھٹکے سے زیادہ کچھ نہیں محسوس ہوا۔''

۱۰۸) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد (بن معاذ) کی قبر میں داخل ہوئے تو (تھوڑی دیر کے لیے) رک گئے، پھر جب باہر آئے تو پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو کسی چیز نے روک لیا تھا؟ آپ نے فرمایا: سعد کو قبر میں ایک جھٹکا لگا تو میں نے اللہ سے دعا کی۔

---

۱۰۵) صحیح، حلیۃ الاولیاء (۳/۱۷۳) شواہد کی بنا پر صحیح ہے، نیز دیکھئے (ح ۱۰۳)

۱۰۶) إسنادہ صحیح، سنن النسائی ۴/۱۰۰ ح ۲۰۵۷۔

۱۰۷) صحیح، یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

۱۰۸) ضعیف، اسے بزار (کشف الاستار ۳/۲۵۶، ح ۲۶۹۷) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے اور حاکم (۳/۲۰۶) وذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس کے راوی عطاء بن السائب نے یہ روایت اختلاط کے بعد بیان کی ہے۔

اللہ نے اسے اُن سے ہٹا دیا۔“

۱۰۹) (عبداللہ) بن عیاش (بن ابی ربیعہ المخزومی) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سعد بن معاذ کی قبر کے پاس بیٹھے۔

پھر آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا: ”اگر کوئی شخص قبر کے فتنے، تکلیف یا بھینچنے سے بچ جاتا تو ضرور سعد بن معاذ بچ جاتے۔ انھیں بھینچنے والا جھٹکا لگا، پھر اسے ہٹا دیا گیا۔“

۱۱۰) جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کو ان کی قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا تو لوگوں نے بھی سبحان اللہ کہا، پھر آپ نے اللہ اکبر کہا تو لوگوں نے بھی اللہ اکبر کہا، پھر پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے کس لیے سبحان اللہ کہا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: ”اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی، پھر اللہ نے اس سختی کو دور کر دیا۔“

۱۱۰ب) اس سند کے ساتھ امیہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سعود (بن معاذ) کے خاندان کے بعض لوگوں سے اس بارے میں پوچھا:

تمھیں رسول اللہ ﷺ کی بات کے بارے میں کیا معلوم ہے؟

تو انھوں نے کہا: ہمیں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ

---

۱۰۹) صحیح، کتاب المعرفۃ والتاریخ للفسوی (۱/۲۴۷) یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ دیکھئے المعجم الکبیر للطبرانی (۱۲/۲۳۲ ح ۱۲۹۷۵، ۱۰/۴۰۶ ح ۱۰۸۲۷) وغیرہ

۱۱۰) ضعیف، یہ سند محمود کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسے احمد (۳/۳۶۰، ۳۷۷) وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔ محمود بن عبدالرحمٰن بن عمرو بن الجموح مجہول الحال (نامعلوم) راوی ہے۔ اس کا ثقہ (قابل اعتماد راوی) ہونا ثابت نہیں ہے۔

۱۱۰ب) ضعیف. بعض آل سعد مجہول ہیں اور باقی سند بھی نامعلوم ہے۔

فائدہ: ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیّدنا سعد بن معاذ کو قبر میں جھٹکا لگا تھا۔ رضی اللہ عنہ۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ”یہ جھٹکا عذاب قبر نہیں ہے بلکہ یہ ایسی تکلیف ہے جو مؤمن کو اپنے بیٹے یا کسی پیارے کی موت پر ہو جاتی ہے۔“

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۹۰)

نے فرمایا: ''وہ (سعد) بعض اوقات پیشاب میں احتیاط نہیں کرتے تھے۔''

۱۱۱) حذیفہ (بن الیمان رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہم ایک جنازے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب آپ قبر کے پاس پہنچے تو (غور سے) اسے دیکھنے لگے، پھر فرمایا: ''مجھے اس (قبر) سے تعجب ہے اس میں مؤمن کو ایک جھٹکا لگتا ہے جس میں اس کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں، اور کافر پر (یہ قبر) آگ سے بھر جاتی ہے۔''

۱۱۲) سعید بن المسیب (تابعی) سے روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! جس دن سے آپ نے مجھے منکر ونکیر کی آواز اور قبر کے جھٹکے کے بارے میں بتایا ہے مجھے کوئی چیز بھی فائدہ نہیں دے رہی۔ آپ نے فرمایا: ''اے عائشہ! مؤمنوں کے کانوں میں منکر نکیر کی آوازیں ایسی ہیں جیسے آنکھ میں سرمے کی سلائی ڈالی جاتی ہے اور مؤمن پر قبر کا جھٹکا ایسے ہے جیسے مہربان ماں کے سامنے اس کا بیٹا سر درد کی شکایت کرتا ہے تو وہ ہلکے سے اس کا سر تھپا دیتی ہے، لیکن اے عائشہ! اللہ کے بارے میں شک کرنے والوں کے بارے میں ہلاکت ہے، انھیں (معلوم ہے) کیسے اپنی قبروں میں جھٹکا دیا جاتا ہے۔ جیسے کسی انڈے کو (زور سے) کسی پتھر پر دے مارا جاتا ہے۔''

باب ۱۴: چغلی اور پیشاب (کے قطروں سے نہ بچنے) میں قبر کا عذاب

۱۱۳) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور (تمھاری نظر میں) کسی بڑی چیز پر

....

۱۱۱) إسناده ضعیف جدًا، اسے احمد (۵/ ۴۰۷) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے اور ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات (۳/ ۲۳۱) میں درج کیا ہے، جبکہ حافظ ابن حجر نے اس قول المسدد (ص ۳۴) میں اُن کا تعاقب (اور رد) کیا ہے۔ محمد بن جابر سخت ضعیف ہے اور ابو البختری نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا، لہٰذا سند منقطع ہے۔

۱۱۲) إسناده ضعیف، حسن بن ابی جعفر اور علی بن زید بن جدعان دونوں ضعیف ہیں۔ دیکھئے تہذیب التہذیب وغیرہ اور باقی سند میں بھی نظر ہے۔

۱۱۳) صحیح البخاري، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر (ح ۱۳۶۱)

صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الدلیل علی نجاسة البول (ح ۲۹۲)

نہیں، ایک تو چغل خور تھا اور دوسرا (اپنے) پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔“ آپ نے کھجور کی تازی (سرسبز) ٹہنی منگوائی، اس کے دو ٹکڑے لیے، پھر ایک ٹکڑا ایک قبر پر اور دوسرا دوسری قبر پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا: ”ہو سکتا ہے جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہو جاتیں، اللہ ان کے عذاب سے تخفیف کر دے۔“ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۱۴) اسی سند سے ایک دوسری روایت بھی مروی ہے جس کے الفاظ اور مفہوم سابق روایت جیسے ہیں۔

۱۱۵) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ”ان دونوں (قبروں والوں) پر چغلی اور پیشاب کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔“ آپ نے (کھجور کی) ایک تازی ٹہنی لے کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا: ”ہو سکتا ہے کہ جب تک یہ (ٹہنیاں) تازہ رہیں ان دونوں کے عذاب میں کمی ہو جائے۔“ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۱۶) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اکثر عذاب قبر پیشاب (کے نہ بچنے) میں ہوتا ہے۔“

امام بخاری نے ابو عوانہ کی (بیان کردہ) حدیث کو صحیح کہا ہے، اور یہ دوسری حدیث ہے۔

۱۱۷) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک قبر کا عام عذاب پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا اپنے پیشاب (کے قطروں) سے بچو۔“

....

۱۱۴) صحیح، دیکھئے حدیث سابق: ۱۱۳

۱۱۵) صحیح مسلم (ح ۲۹۲/ ۱۱۱) نیز دیکھئے حدیث سابق: ۱۱۳

۱۱۶) یہ روایت شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ اسے ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب التشديد فى البول ح ۳۴۹ وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے، نیز دار قطنی (۱/ ۱۲۸) حاکم (۱/ ۱۸۳) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

۱۱۷) یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

۱۱۸) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے، پھر آپ نے ایک (تازی) ٹہنی لی تو (اس کے دو ٹکڑے کر کے) ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ ابن وہب (راوی) نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ کے اس عمل کے بارے میں پوچھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مرد تھا جو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور (دوسری) عورت تھی جو لوگوں کے درمیان چغل خوری کے لیے چلتی رہی تھی۔ ان دونوں پر قیامت تک عذاب ہوتا رہے گا۔

۱۱۹) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے (ہی) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے رک گئے۔ پھر فرمایا: ''دو ٹہنیاں (کھجور کی) لے آؤ۔'' پھر آپ نے ایک ٹہنی قبر کے سر کی طرف اور دوسری اس کے قدموں کی طرف رکھ دی۔ ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا اسے (میت کو) اس کا فائدہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''جب تک ان میں تروتازگی (اور نمی) رہے گی اس کے عذاب میں کمی رہے گی۔''

۱۲۰) ابوبکرہ (نفیع بن الحارث الثقفی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں اور ایک آدمی (دونوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے کہ آپ دو قبروں کے پاس پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان دونوں قبروں والوں پر اب ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ تم میں سے کون اس کھجور کے درخت سے ایک ٹہنی لاتا

....

۱۱۸) إسناده ضعيف.

عبدالعزیز بن صالح مجہول ہے۔ (میزان الاعتدال ۲/ ۶۲۹)

اور ابوالخنساء بھی مجہول ہے، میرے علم کے مطابق کسی محدث نے بھی اسے ثقہ نہیں کہا۔

لہٰذا یہ روایت مرد و عورت کی تفریق اور ''قیامت تک عذاب'' کے الفاظ کے ساتھ ضعیف ہے۔

۱۱۹) إسناده صحيح، اسے احمد (۲/ ۴۴۱) نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

۱۲۰) إسناده ضعيف، اسے ابن ماجہ، کتاب الطهارة، باب التشديد في البول (ح ۳۴۹) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ بحر بن مرار البکری نے اپنے دادا کو نہیں پایا، لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔ نیز بحر بن مرار کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ دیکھئے تہذیب التہذیب وغیرہ۔

ہے؟'' میں اور میرا ساتھی، دونوں دوڑتے ہوئے گئے تو میں پہلے پہنچ گیا۔ میں نے کھجور کے درخت سے ایک ٹہنی توڑی، پھر اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اس کے اوپر سے دو (برابر) ٹکڑے کیے، پھر ایک قبر پر آدھا ٹکڑا رکھ دیا اور دوسری قبر پر آدھا ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا: ''جب تک ان میں پانی رہے گا ان دونوں کے عذاب میں کمی رہے گی۔ ان دونوں پر غیبت اور پیشاب کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔''

۱۲۱) ابوبکرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میرے اور نبی ﷺ کے درمیان ایک آدمی تھا جب آپ دو قبروں کے پاس پہنچے تو فرمایا: ''ان دونوں قبروں والوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ تم مجھے کھجور کی ایک ٹہنی لادو۔'' ابوبکرہ نے کہا: میں اور میرا ساتھی دوڑتے ہوئے گئے تو میں پہلے پہنچ گیا اور ٹہنی لے آیا آپ نے اس کے دو ٹکڑے کیے، اور ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا: ''ہوسکتا ہے جب تک یہ (ٹہنیاں) تر رہیں۔ اللہ ان کے عذاب میں کمی کر دے۔ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور (تمہارے خیال میں) کسی بڑی بات پر نہیں ہو رہا، غیبت اور پیشاب کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔''

۱۲۲) یعلی بن سیابہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے (قبر والے پر) عذاب ہو رہا تھا (اور ہمارے خیال میں) وہ کبیرہ گناہ نہیں تھا۔ پھر آپ نے ایک ٹہنی منگائی تو اسے قبر پر رکھ دیا اور فرمایا: ''ہوسکتا ہے جب تک یہ تر و تازہ رہے اللہ اس کے عذاب میں کمی کر دے۔''

۱۲۳) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو نجار کی دو قبروں کے

....

۱۲۱) إسناده ضعیف، اسے احمد (۵/ ۳۵) وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ بحر بن مرار کی حدیث اس کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۱۴۰

۱۲۲) یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ اسے احمد (۴/ ۱۷۲) نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز دیکھئے حدیث سابق: ۱۱۹، وغیرہ

۱۲۳) إسناده ضعیف جدًا، لیکن یہ روایت اپنے گزشتہ شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

پاس سے گزرے۔ان دونوں پر چغلی اور پیشاب کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا۔آپ نے ایک ٹہنی لے کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور دونوں قبروں پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا۔اور فرمایا: ''جب تک یہ تر و تازہ رہیں گی، اللہ (ان شاء اللہ) ان کے عذاب میں کمی کرے گا۔''

۱۲۴) انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی (کی قبر) کے پاس سے گزرے۔ ہمارے خیال میں اسے چغلی کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا۔

۱۲۵) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے تو آپ کا سفید خچر ڈر گیا۔لوگوں نے اس کی لگام کو پکڑ لیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو اس قبر والے پر عذاب ہو رہا ہے وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔''

۱۲۶) عبدالرحمٰن بن حسنہ سے روایت ہے کہ میں اور عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔آپ کے پاس ایک برتن تھا۔آپ نے بیٹھ کر پیشاب کیا تو ہم نے آپس میں کہا: آپ اس طرح پیشاب کرتے ہیں جیسے کہ عورتیں پیشاب کرتی ہیں۔ پھر آپ ہمارے پاس آئے اور فرمایا: کیا تمھیں پتہ نہیں کہ بنی اسرائیل والے کو کیا ہوا تھا؟ انھیں اگر پیشاب لگ جاتا تو اسے کاٹ دیتے تھے۔ پھر انھیں منع کیا تو انھوں نے اسے چھوڑ دیا، لہٰذا اس شخص کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔''

....

۱۲۴) إسناده ضعيف جدًا، لیکن اس کا مفہوم سابقہ روایات کی رو سے صحیح ہے۔اسے طبرانی نے بھی اوسط (۱۰۵۴ طبع دار الحرمین بالقاہرۃ) میں بیان کیا ہے۔(مجمع الزوائد ۵/ ۹۳)

حافظ ہیثمی نے کہا: خلید بن دعلج متروک ہے۔

۱۲۵) إسناده ضعيف، شیبہ بن مساور کی روایت، انس رضی اللہ عنہ سے منقطع ہے کیونکہ وہ اتباع التابعین میں سے ہیں۔دیکھئے تعجیل المنفعه (ص ۱۷۹)

۱۲۶) إسناده ضعيف، اسے ابو داود، کتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول ح ۲۲ سنن النسائی (۳۰) ابن ماجه (۳۴۶) وغیرہم نے بھی روایت کیا ہے۔اور حاتم (۱/ ۱۸۴) ذهبي نے صحیح کہا ہے، سلیمان بن مہران الاعمش مدلس راوی ہیں۔اس روایت میں اُن کے سماع کی تصریح نہیں ملی۔

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

"مِنْ دُوْنِ اللّٰہ" کا درست مفہوم

(قسط:۵)

اب بعض بریلوی مفسرین سے ان آیات کی تفسیر ملاحظہ کیجئے جس سے یہ بات بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی "من دون اللّٰہ" میں داخل وشامل ہیں۔

۱: ان کے پیر کرم شاہ صاحب بھیروی نے لکھا:

"علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ بت تو اس لئے جواب نہیں دیں گے کہ وہ بے جان نہ سن سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں لیکن جو کم بخت فرشتوں کو یا اللہ تعالیٰ کے مقربین کو پکارتے ہیں وہ اس لئے جواب نہیں دیں گے کہ ان گمراہوں نے انہیں خدا سمجھ رکھا تھا حالانکہ وہ خدا بننے سے بالکل الگ تھے پس وہ ایسے لوگوں کی فریاد کا جواب کیوں دیں گے جو اتنی بڑی تہمت لگا رہے تھے۔" (ضیاء القرآن ۴/ ۱۴۹)

تنبیہ: اس آیت اور تفسیر پر ہم قدرے تفصیلی گفتگو اپنے مضمون "غیر اللہ سے دعا اور چند قرآنی سوالات" میں کر چکے ہیں۔

۲: قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی صاحب نے لکھا:

"أی الذین تعبدونها من الاصنام وغیرها کائنة من دونه تعالٰی ما یملکون من قطمیر" اللہ کے علاوہ بت یا جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ (تفسیر مظہری:۸/ ۵۰)

تنبیہ: قاضی پانی پتی صاحب بریلویہ کے معتمد مفسر ہیں۔

۳: سعیدی صاحب نے اس آیت سے اگلی آیت کی تفسیر میں لکھا:

"قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے، یعنی وہ اس سے انکار کر دیں گے کہ تم نے ان کی عبادت کی ہے اور تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے، اللہ تعالیٰ ان بتوں کو زندہ کر

دے گا اور وہ یہ خبر دیں گے کہ وہ اس کے اہل نہ تھے کہ اُن کی عبادت کی جاتی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں معبودوں سے مراد ان کے وہ معبود ہوں جو ذوی العقول ہیں جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور ملائکہ اور وہ قیامت کے دن مشرکین کی عبادت سے برأت کا اظہار کریں گے، قرآن مجید میں ہے:... جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو، عیسیٰ کہیں گے تو پاک ہے میرے لئے یہ جائز نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جو حق نہیں ہے'' (تبیان القرآن ۹/ ۶۶۷)

فرضی بتوں کے زندہ کرنے کی صراحت نصوص میں تو ہمیں نہیں ملی باقی جن حقیقی مقرب بندوں کی پرستش ہوئی ہے ان کے اظہارِ بیزاری کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اور یاد رہے کہ سیالوی صاحب کی نقل کردہ آیت پر بات ختم نہیں ہو رہی بلکہ اس سے اگلی آیت پر یہ بیان مکمل ہوتا ہے۔ تو بھیروی وسعیدی صاحبان کی تفسیر کے مطابق یہ بات سیدنا عیسیٰ وعزیر علیہما السلام کے بارے میں بھی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾

'' آپ کہہ دیجئے کہ تم پکارو ان لوگوں کو جن کو تم نے اللہ کے سوا (مشکل کشا) گمان کر رکھا ہے، پس وہ تم سے نہ کسی ضرر کو دور کرنے کے مالک ہیں اور نہ اس کو بدل دینے کے (مالک ہیں۔) جن لوگوں کو یہ (مشرکین) پکارتے ہیں وہ تو اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں جو ان میں سے زیادہ قریب ہیں اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب وہ ہے جس سے ہمیشہ ڈرا جاتا ہے۔''

(بنی اسرائیل: ۵۶۔۵۷)

اب ان آیات کی تفسیر میں بریلوی مفسر سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

'' اس آیت سے مقصود مشرکین کا رد ہے، وہ کہتے تھے کہ ہم خود اس لائق نہیں کہ اللہ کی عبادت

کریں بلکہ عبادت کے لائق تو مقربین ہیں یعنی اللہ کے فرشتے پھر انہوں نے فرشتوں کے فرضی مجسّمے بنا رکھے تھے اور اس تاویل سے بتوں کی عبادت کرتے تھے، بعض مفسرین نے کہا وہ حضرات عیسیٰ اور حضرت عزیر کی عبادت کرتے تھے اور ان کی عبادت کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تم سے کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں اور نہ تم کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں'' (تبیان القرآن ۶/ ۷۴۵)

سعیدی صاحب کی اس تفسیر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ، سیدنا عزیر اور ملائکہ علیہم السلام بھی ''کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں'' قرآن مجید کے الفاظ ہیں: ﴿فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا﴾ کہ ''نہ وہ تم سے تکلیف دور کر دینے کا اختیار رکھتے ہیں نہ اس تکلیف کو پھیر دینے کا۔'' پھر اس سے اگلی آیت سے واضح ہے کہ یہ بات مقرب اور صالح کے بارے میں کہی گئی ہے۔ سیالوی صاحب انبیاء علیہم السلام اور صالحین کو ''من دون اللہ'' ماننے سے انکاری ہیں، لیکن قرآن مجید کی نصوص کے ساتھ ساتھ ان کے اپنے ہم مسلک لوگ بھی داخل مانتے ہیں۔

چوتھا سیالوی مغالطہ: سیالوی نے لکھا ہے:

''من دون اللہ کی شان تو یہ ہے کہ وہ کھجور کی گٹھلی پر موجود باریک جھلی کے بھی مالک نہیں ہیں اور انبیاء کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۵۴) سو ہم نے دی ہے ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں کتاب اور علم اور ان کو دی ہے ہم نے بڑی سلطنت۔

اُس آیت کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ ﴿من دون اللہ﴾ تو کسی شے کے مالک نہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام ملکِ عظیم کے مالک ہیں۔ (ندائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۸۱)

جواب: حسبِ معمول یہاں بھی آیت پر غور کیے بغیر سیالوی صاحب نے یہ تقریر کی ہے۔ ان کے ''مجدد'' صاحب نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''تو ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا'' (کنز الایمان)

حاشیے میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے ان کے ''صدر الافاضل'' نعیم الدین مراد آبادی صاحب نے لکھا: ''جیسا کہ حضرت یوسف اور حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو''

(خزائن العرفان ص۱۵۶)

سعیدی صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

''حضرت ابراہیم کی آل میں نبی اور رسول مبعوث کیئے گئے جن کو یہ کتاب اور حکمتیں دی گئیں ...ملک عظیم، بھی دیا گیا جیسے حضرت یوسف، حضرت داود اور حضرت سلیمان کو ملک دیئے گئے'' (تبیان القرآن ۲/ ۶۹۶)

سیالوی صاحب کی پیش کردہ آیت بلکہ کسی بھی آیت یا حدیث میں اس بات کا ثبوت نہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو ملک یعنی بادشاہت عطا ہوئی۔ سیدنا داود علیہ السلام طالوت کے بعد بادشاہ بنے۔ (بقرۃ: ۲۴۸۔۲۵۱)

اسی طرح سیدنا داود علیہ السلام کی موجودگی میں سیدنا سلیمان علیہ السلام بادشاہ نہ تھے، اُن کے بعد بنے۔ دیکھئے (النمل: ۱۶)

اسی طرح دیگر نصوص کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاطر میں وہ اختیارات مراد ہیں جو اسباب کے علاوہ ہیں۔ اسی طرح یہ جو فرمایا کہ ''وہ تمہاری دعائیں نہیں سنتے اگر سن بھی لیں تو تمہاری دعائیں قبول نہیں کر سکتے۔'' سے معلوم ہوا ہے کہ فوت شدہ اور بعید لوگ مراد ہیں۔ وگرنہ زندہ اور قریب یا کچھ فاصلہ پر سن لینا تو امور عادیہ وطبعیہ میں سے ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ قریب اور زندہ لوگوں سے دعائیں مانگی جائیں، چونکہ دعا عبادت ہے جو اللہ ہی کا حق ہے۔

پانچواں سیالوی مغالطہ: سیالوی نے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ﴾ یوں قدرت دی ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس زمین میں جگہ پکڑتے تھے جہاں چاہتے۔ اس کی تفسیر میں مولوی شبیر احمد عثمانی

لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام جہاں چاہتے اترتے اور جہاں چاہتے تصرف کرتے۔''
اس آیت سے بھی ثابت ہوگیا کہ من دون اللّٰہ میں انبیاء واولیاء شامل نہیں۔ (ندائے... ص ۱۸۱)

جواب: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا، لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس ''تمکنت'' سے مراد جمیع اختیارات ہیں، خواہ وہ اسباب سے بالاتر ہی کیوں نہ ہوں؟
سیالوی صاحب کے اس استدلال کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے قرآن مجید تو درکنار شاید سورۂ یوسف کو بھی بغور نہیں پڑھا، چونکہ اسی سورت میں کچھ آگے یہ بھی ہے:

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (یوسف:۷۶)

اس آیت کا ترجمہ وتفسیر بھی بریلوی پیر بھیروی صاحب سے ملاحظہ کیجئے، لکھا ہے:
''یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کے لئے نہیں رکھ سکتے تھے یوسف اپنے بھائی کو بادشاہِ مصر کے قانون میں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے'' (ضیاء القرآن ۲/۴۴۶)
پھر تفسیر کرتے ہوئے لکھا:
''اللہ کی تائید اگر... حاصل نہ ہوتی تو حضرت یوسف کے لئے اپنے ملکی قانون کے مطابق بھائی کو رکھ لینا ممکن نہ تھا'' (۲/۴۴۷)

لیجئے سیالوی صاحب یہ آپ لوگوں کے ایک پیر صاحب کی تفسیر ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت اور اس تفسیر سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوجاتی ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو ملک مصر جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو تمکنت عطا فرمائی وہاں بھی جمیع اختیارات حاصل نہ تھے تو پوری کرّہ ارض پر اور بعد از وفات بھی کس طرح جمیع اختیارات حاصل ہو سکتے ہیں؟
اس آیت سے یہ تو قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام ''من دون اللّٰہ'' مطلب ''اللہ کے علاوہ'' نہیں ہیں۔ پھر اولیاء کا تو سرے سے کوئی تذکرہ اس آیت میں نہیں۔ معلوم نہیں سیالوی صاحب کس بنا پر ہر جگہ ''اولیاء'' بھی ساتھ ساتھ لکھتے گئے؟؟!!

چھٹا سیالوی مغالطہ: سیالوی نے لکھا ہے:

''ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ﴾ (الکہف:۸۳۔۸۴) اور جب وہ تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو کہہ اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اس کا کچھ احوال ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں اور دیا تھا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان۔ (ترجمہ محمود الحسن) (ندائے...ص ۱۸۱)

جواب: بلاشبہ ذوالقرنین ایک نیک اور عادل بادشاہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو عظیم بادشاہت عطا فرمائی، لیکن قرآن مجید میں فارق عادات چیزوں کے عطا کیے جانے کا ذکر نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بریلویہ کے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''ذوالقرنین کا تصرف اور اس کا اقتدار... اس آیت کا معنی ہے ہم نے اس کو ملک عظیم عطا کیا تھا اور ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت قائم کرنے کے لیے جس قدر چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ہم نے وہ چیزیں اس کو عطا کی تھیں اور ہم نے اس کو تمام اطراف مملکت میں تصرف کرنے کی قدرت عطا کی تھی اور ہم نے اس کو ہر قسم کے آلات حرب اسباب اور وسائل عطا کئے تھے جن کی وجہ سے وہ تمام مشارق و مغارب کا حکمران ہو گیا تھا اور تمام ممالک اس کے تابع ہو گئے تھے اور عرب اور عجم کے تمام بادشاہ اس کے اطاعت گزار ہو گئے تھے'' (تبیان القرآن ۷/۲۰۳)

اس تفسیر سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا سارا تصرف ظاہری اور امور سلطنت سے متعلق تھا۔ اور اس کی ضرورت کا ہر سامان اسے ملا ہوا تھا۔ لہٰذا اس آیت سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں کہ وہ مافوق الاسباب امور پر قدرت رکھتا تھا، اور لوگوں کی دعائیں سننے کی طاقت رکھتا تھا۔ نہ اس سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ''من دون اللّٰہ''، مطلب ''اللہ کے علاوہ'' یا ''اللہ کے سوا'' نہ تھا۔

ساتواں سیالوی مغالطہ: سیالوی صاحب نے لکھا ہے:

”(الانبیاء:۱۰۵) اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے“ (ترجمہ محمود الحسن) اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان من دون اللہ میں داخل نہیں کیونکہ من دون اللہ کی شان تو یہ ہے کہ کھجور کی گٹھلی پر موجود جھلی کے بھی مالک نہیں ہیں اور یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میرے نیک بندے زمین کے وارث بنیں گے۔“ (ص۱۸۲)

آٹھواں سیالوی مغالطہ: لکھا ہے:

”ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (الاعراف:۱۲۸) زمین صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے بھی ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرضوان من دون اللہ میں داخل نہیں ... کہ من دون اللہ کسی ذرہ بھر کے بھی مالک نہیں ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام اس کی عطا سے پوری زمین کے وارث ہیں۔ (ص۱۸۲۔۱۸۳)

جواب: زمین کا وارث بنانے سے کیا مراد ہے یہ بات خود واضح ہے لیکن معلوم نہیں کیوں سیالوی صاحب ان آیات کو پیش کر کے اس سے اتنا بڑا دعویٰ کر رہے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ”من دون اللہ“ میں داخل نہیں۔ پہلے فریق ثانی کے مفسر سعیدی صاحب کی تفسیر سے ان آیات کی وضاحت ملاحظہ کیجئے، لکھا ہے:

”بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد دنیا کی زمین ہے اور اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں سے حکومت اور اقتدار عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ... (النور:۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور اعمالِ صالحہ کر چکے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کرلیا ہے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ

بنایا تھا اور یقیناً ان کے لئے اس دین کو مضبوط کردے جس کو وہ ان کے لئے پسند کرچکا ہے اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا، جو لوگ میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتے اور جن لوگوں نے اس کے بعد ناشکری کی سو وہی لوگ فاسق ہیں۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ "موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد طلب کرو اور (جنگ کی مشکلات پر) صبر کرو۔ بے شک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس زمین کا وارث کرتا ہے۔" (الاعراف:۱۲۸)

...ان آیات کا محمل یہ کہ جب نیک مسلمان اللہ کے دین کے نظام کو قائم کرنے کی کوشش اور جدوجہد کریں گے تو اللہ ان کی مدد کرے گا اور اپنے فضل سے انکو زمین پر اقتدار عطا فرمائے گا" (التبیان ۷/۶۸۱)

یہ آیات اور بریلوی مفسر سے ان کی وضاحت آپ کے سامنے ہیں، ان میں اہل ایمان کو اقتدار دینے کی جو بات ہوئی اس سے مراد اس زمین پر حکومت، حکمرانی عطا کرنا ہے۔ اور یہ اقتدار مافوق الاسباب امور میں تو نہیں ہوتی۔ پھر ان آیت سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام "من دون اللّٰہ" یعنی اللہ کے سوا نہیں؟

اگر سیالوی صاحب اس بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں اللہ نے اپنے بندوں، مطلب مومن صالح بندوں کو زمین پر حکومت دینے کی بات کی جب کہ مولوی صاحب کے زعم کے مطابق "من دون اللّٰہ" کو ذرہ برابر اختیار نہیں، لہٰذا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام "من دون اللّٰہ" کے مصداق نہیں۔ تو سیالوی صاحب کو چاہیے کہ وہ یہ بھی کہہ دیں کہ تمام کے تمام اہل ایمان نیک صالح بندے "من دون اللّٰہ" میں داخل نہیں۔ (نعوذ باللہ) بلکہ یہ تک فرما دیں کہ کفار بھی "من دون اللّٰہ" میں داخل نہیں جب کہ یہ کفار بڑی بڑی حکومتوں کے

مالک ہیں، خواہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکومتیں کسی بھی غرض سے عطا کی ہیں۔ مگر کی تو یقیناً ہیں، بلکہ سیالوی صاحب کو یہ تک کہہ دینا چاہیے کہ دنیا کا کوئی انسان بھی "من دون اللّٰہ" میں شامل نہیں، چونکہ دنیا کا ہر انسان کسی نہ کسی چیز کا مالک تو ہے ہی اور سیالوی صاحب کے استدلال کی بنیاد بھی یہی بات ہے کہ "من دون اللّٰہ" گٹھلی کے چھلکے اور ذرہ بھر کے مالک نہیں، جبکہ اہل ایمان ہیں۔ تو ان پر لازم ہے کہ اپنی اس سوچ کے مطابق ہر کھجور و ذرہ کے مالک کو "من دون اللّٰہ" میں شامل نہ سمجھیں۔ کم از کم ہر مومن کو خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر وہ ایسا نہیں سمجھتے تو اولیاء کی تخصیص کی دلیل ضرور پیش فرمائیں۔

ھاتو برھانکم اِن کنتم صٰدقین!

نواں سیالوی مغالطہ: سیالوی نے لکھا ہے:

"ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ﴾ (صٓ:۲۶)

اے داؤد! ہم نے کیا تم کو نائب ملک میں۔

یہ آیت کریمہ اس امر پر واضح دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام من دون اللہ میں داخل نہیں کیونکہ ان کو ذرہ بھر کا اختیار نہیں ہے اور داؤد علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں نیابت بخشی جو کسی بادشاہ کا نائب ہو وہ اس ملک کے سیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے تو جو اللہ تعالیٰ کا نائب ہے وہ معاذ اللہ کسی پتھر کا نائب ہے کہ اس کو کوئی اختیار نہ ہو؟" (ندائے یا رسول اللہ ص ۱۸۳)

جواب: زمین میں خلافت جو بخشی، خلیفہ بنایا تو اس سے مراد اُس زمین میں اللہ کا نازل فرمودہ نظام قائم کرنے والا بنایا۔ چنانچہ جتنا حصہ سیالوی صاحب نے نقل کیا اسی کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی موجود ہے:

﴿فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾

"سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے، ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی" (صٓ:۲۶، ترجمہ از تبیان القرآن ۱۰/۴۹)

اور یہاں زمین میں خلافت سے مراد پوری زمین کی خلافت بھی نہیں، آیات و

احادیث سے ثابت ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کی نبوت مخصوص وقت اور علاقے کے لیے ہوتی تھی۔ اس حقیقت کو اپنے مفسر غلام رسول سعیدی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ کر لیجئے، لکھا ہے:

''سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے جو نبی اور رسول بھیجے جاتے ہیں وہ ایک مخصوص علاقے مخصوص زمانے اور مخصوص قوم کے رسول ہوتے تھے تو ان پر ان کی عبادات اور معاملات کے لئے جو احکام نازل کئے جاتے تھے وہ احکام بھی ایک مخصوص وقت تک کے لئے ہوتے تھے۔'' (تبیان ۱۰/ ۷۸)

اگر سیالوی صاحب اس خلافت عطا کیے جانے سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام ''من دون اللہ'' میں شامل نہیں ہیں تو سورۂ نور: ۵۵ پیش کر کے وہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ خلافتِ راشدہ سے لے کر خلافتِ عثمانیہ تک جتنے بھی خلیفہ ہوئے وہ بالعموم اور عادل خلفاء جیسے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم وغیرہم بالخصوص ''من دون اللہ'' میں شامل نہیں کہ اہل ایمان کو خلافت اللہ ہی نے عطا فرمائی اور خلیفہ بنایا۔ اسی طرح کفار میں سے جن جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت ہی سے بادشاہت عطا کی، نعوذ باللہ وہ بھی ''من دون اللہ'' میں شامل نہیں ہیں؟ جس قسم کے دلائل سے سیالوی صاحب معارضہ پیش کر رہے ہیں اس قسم کے دلائل سے تو دنیا کے تمام افراد ''من دون اللہ'' سے خارج ثابت ہوتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)



شذرات الذهب

(سیّد تنویر الحق ہزاروی)

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ: ''أَوَّلُ مَنْ قَاسَ إِبْلِيْسُ، وَمَا عُبِدَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ إِلَّا بِالْمَقَايِيْسِ'' سب سے پہلے (نص صریح کے خلاف) قیاس ابلیس نے کیا تھا۔ سورج اور چاند کی عبادت قیاسات کی وجہ سے ہی کی گئی ہے۔ (سنن الدارمی ۱/ ٦٥ ح ۱۹۵ وسنده حسن)

حافظ زبیر علیزئی رحمہ اللہ

انوار السنن فی تحقیقِ آثار السنن

(۲۳)

۲۷۱) وَ عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ: أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ أَوَّلُ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ نَزَلَ عَلٰى أَجْدَادِهِ أَوْ قَالَ أَخْوَالِهِ مِنَ الْأَنْصَارِ وَ أَنَّهُ صَلّٰى قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَ كَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُوْنَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ وَ أَنَّهُ صَلّٰى أَوَّلَ صَلٰوةٍ صَلَّاهَا صَلٰوةَ الْعَصْرِ وَ صَلّٰى مَعَهُ قَوْمٌ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِّمَّنْ صَلّٰى مَعَهُ فَمَرَّ عَلٰى أَهْلِ مَسْجِدٍ وَّ هُمْ رَاكِعُوْنَ فَقَالَ: أَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قِبَلَ مَكَّةَ فَدَارُوْا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

اور براء (بن عازب) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سب سے پہلے مدینہ میں تشریف لائے تو اپنے انصاری نانوں یا ماموؤں (ننھیال) میں اُترے اور آپ نے بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی اور آپ یہ پسند کرتے تھے کہ بیت اللہ آپ کا قبلہ بنے اور آپ نے (قبلہ بدلنے کے بعد) پہلی نماز عصر کی نماز پڑھی اور ایک قوم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی، پھر ایک آدمی جس نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی، وہاں سے نکل کر ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا جو حالتِ رکوع میں تھے۔ اس آدمی نے کہا: میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے (بیت اللہ) کی طرف نماز پڑھی ہے تو وہ سب لوگ نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف گھوم گئے۔

اسے بخاری (۴۰) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر ثقہ (عادل ضابط) راوی کوئی حدیث بیان کرے

جو کہ اصولِ حدیث کی رو سے صحیح ہوتی ہے تو اسے ظنی نہیں بلکہ قطعی اور یقینی سمجھنا چاہیے اور ایمان وعقیدے کا مسئلہ ہو یا احکام وفضائل کا اسے ہر جگہ حجتِ قاطعہ اور برہان ساطعہ سمجھنا چاہیے۔

بعض اہلِ بدعت کا خبر واحد صحیح کو ظنی کہہ کر قرآن وخبر متواتر کی تخصیص، نسخ و بیان کو جائز نہ سمجھنا باطل ہے اور کتاب وسنت، اجماع اور آثارِ صحابہ میں سے ایک دلیل بھی ان بدعتیوں کی مؤید نہیں، بلکہ حق صرف یہ ہے کہ قرآن کی طرح صحیح حدیث حجت ہے، اگرچہ وہ خبر واحد ہی کیوں نہ ہو۔

۲۷۲) وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((**مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ.**)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ وَ قَوَّاهُ الْبُخَارِيُّ.

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔''

اسے ترمذی (۳۴۴) نے روایت کر کے صحیح کہا اور بخاری نے اسے قوی قرار دیا ہے۔

انوار السنن: اس کی سند حسن ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ سے دور والے لوگوں کو حتی الوسع بیت اللہ ہی کی طرف رُخ کرنا چاہیے، اپنی پوری کوشش کے باوجود اگر جہت کے تعین میں کچھ فرق آجائے تو یہ معاف ہے اور ان شاء اللہ نمازیں مقبول ہوں گی۔ واللہ غفور الرحیم

۲۷۳) وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: ((**فَإِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ.**)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر جب تو نماز (پڑھنے) کے لئے کھڑا ہو تو اچھے طریقے سے پورا وضو کر، پھر قبلہ رُخ ہو کر تکبیر کہہ۔''

اسے مسلم (۳۹۷، اور بخاری: ۶۲۵۱، ۶۲۵۲) نے روایت کیا ہے

انوار السنن: تکبیر سے مراد ''اللہ اکبر'' کہنا ہے۔ جیسا کہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قبلہ رو ہو کر اپنے دونوں

ہاتھ اٹھاتے اور فرماتے: ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ)) ''اللہ سب سے بڑا ہے۔'' (صحیح، سنن ابن ماجہ: ۸۰۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۱۱۶، صحیح ابن حبان: ۴۴۲) لہٰذا تکبیر سے بعض الناس کا خودساختہ معنی مراد لینا مردود ہے۔

۲۷۴) وَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ صَلٰوةِ الْخَوْفِ وَ صَفَهَا ثُمَّ قَالَ: فَإِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ أَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالًا ، قِيَامًا عَلٰى أَقْدَامِهِمْ وَ رُكْبَانًا مُّسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةَ أَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيْهَا قَالَ نَافِعٌ: وَ لَا أَرَى ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم . رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

اور نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جب نمازِ خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ اس کا طریقہ بیان کر دیتے تھے، پھر فرماتے: اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہے تو ہر شخص تنہا نماز پڑھ لے، پیدل ہو یا سوار، قبلہ رو ہو یا نہ ہو۔

نافع نے کہا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی بیان کرتے تھے۔

اسے بخاری (۴۵۳۵) نے روایت کیا ہے۔

۲۷۵) وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَ يُوْتِرُ عَلَيْهَا غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّيْ عَلَيْهَا الْمَكْتُوْبَةَ . رَوَاهُ الشَّيْخَانِ .

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر، اس کا رُخ جدھر بھی ہوتا نفل نماز پڑھ لیتے اور اسی پر وتر بھی پڑھ لیتے تھے، لیکن سواری پر فرض نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اسے شیخین (بخاری: ۱۰۹۷، مسلم: ۷۰۰) نے روایت کیا ہے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حدیث: ۵۸۶ کا حاشیہ

۲۷۶) وَ عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ هُوَ عَلَى الرَّاحِلَةِ يُسَبِّحُ يُوْمِئُ بِرَأْسِهِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَصْنَعُ

ذَلِكَ فِی الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ . أَخْرَجَهُ الشَّيْخَان .

اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ سواری پر نفل نماز پڑھ رہے تھے۔ سواری جس طرف بھی جاتی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے سر مبارک کے ساتھ اشارہ فرماتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کرتے تھے۔

اسے شیخین (بخاری: ۱۰۹۷، مسلم: ۷۰۱) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن:

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ فرض نماز میں قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے اور فرض نماز سواری پر نہیں، بلکہ اس سے نیچے اُتر کر زمین پر پڑھنی چاہیے۔

بَابُ سُتْرَةِ الْمُصَلِّيْ

نمازی کے سترے کا بیان

۲۷۷) عَنْ أَبِيْ جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: ((**لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ لَكَانَ أَنْ يَّقِفَ أَرْبَعِيْنَ خَيْرًا لَّهُ مِنْ أَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ .**)) رَوَاهُ الشَّيْخَان .

ابو جہیم بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو معلوم ہو کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو وہ اگر چالیس (؟ سال، مہینے یا دن) کھڑا رہتا تو یہ اُس کے لئے (نمازی کے سامنے سے) گزرنے سے بہتر ہے۔''

اسے شیخین (بخاری: ۵۱۰، مسلم: ۵۰۸) نے روایت کیا ہے۔

۲۷۸) وَعَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ عَنْ سُتْرَةِ الْمُصَلِّيْ فَقَالَ: ((**كَمُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ .**)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک میں نمازی کے سترے

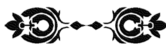
سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''سواری پر کجاوے کے پچھلے حصے جتنا (اونچا سترہ کافی ہے۔)'' اسے مسلم (۵۰۰) نے روایت کیا ہے

۲۷۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((**إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَإِنَّهٗ يَسْتُرُهٗ إِذَا كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ اٰخِرَةِ الرَّحْلِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ اٰخِرَةِ الرَّحْلِ فَإِنَّهٗ يَقْطَعُ صَلٰوتَهُ الْحِمَارُ وَ الْمَرْأَةُ وَ الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ.**)) قُلْتُ يَا أَبَا ذَرٍّ مَا بَالُ الْكَلْبِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْكَلْبِ الْأَحْمَرِ مِنَ الْكَلْبِ الْأَصْفَرِ قَالَ يَا ابْنَ أَخِي سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَمَا سَأَلْتَنِي فَقَالَ: ((**الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطٰنٌ.**)) رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ إِلَّا الْبُخَارِيَّ.

اور عبداللہ بن الصامت (رحمہ اللہ) ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے لئے کجاوے کے آخری حصے جتنا سترہ (کافی) ہے اور اگر اس کے سامنے کجاوے کے آخری حصے جتنا سترہ نہ ہو تو اُس کی نماز کو گدھا، عورت اور کالا کتا (سامنے سے گزرکر) کاٹ دیتا ہے۔'' میں نے کہا: اے ابوذر! سرخ کتے اور زرد کتے کے مقابلے میں کالے کتے کا کیا مقصد ہے؟ انھوں نے فرمایا: اے بھتیجے! جس طرح تو نے مجھ سے پوچھا ہے اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا: ''کالا کتا شیطان ہے۔''

اسے بخاری کے علاوہ ایک جماعت (مسلم: ۵۱۰، ابوداود: ۷۰۲، ترمذی: ۳۳۸، ابن ماجہ: ۹۵۲، ۳۲۱۰، نسائی ۲/۶۳ ح ۷۵۱، احمد ۵/۱۵۱) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ اگر گدھا، کتا اور عورت سامنے سے نہ گزرے تو سترے کے بغیر بھی نماز جائز و صحیح ہے۔ دوسرے الفاظ میں سترہ واجب نہیں ہے۔ اس کی توضیح و توجیہ اس باب کی دیگر احادیث میں ملاحظہ کریں۔



MONTHLY ISHA'AT AlHadith HAZRO
www.zubairalizai.com, www.facebook.com/ishaatulhadith

ہمارا عزم

- قرآن و حدیث اور اجماع کی برتری
- صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
- سے استدلال اور ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب
- علمی، تحقیقی و معلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
- متانت کے ساتھ بہترین و باد لائل رد
- دین اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
- سلف صالحین کے متفق فہم کا پرچار
- صحیح و حسن روایات
- اتباع کتاب و سنت کی طرف والہانہ دعوت
- مخالفین کتاب و سنت اور اہل باطل پر علمی و
- اصول حدیث اور اسماء الرجال کو مد نظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
- قرآن و حدیث کے ذریعے اتحاد امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ "الحدیث" حضرو کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر نقصان اور مفید مشورے کا قدر و تشکر کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔
